دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۱ ویں جلد

از جنوری ۱۹۴۳ء تا جون ۱۹۴۳ء

مُرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہے، مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید وتاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات، اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کی گئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بہ روایات صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل وتشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہے، اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق وفضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اس کی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے،

قیمت بڑی تقطیع	حجم	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	قیمت چھوٹی تقطیع	حجم	قسم اول	قسم دوم
سیرۃ النبی حصہ اول	×	×	×	سیرۃ النبی حصہ اول	۵۶۱	×	للعہ
" دوم	۳۵۱	سے	للعہ	" دوم	۴۳۸	صہ	۸ہے
" سوم	۵۹۶	۸عہ	للعہ	" سوم	۷۹۴	معہ	صہ
" چہارم	۶۰۶	سے	للعہ	" چہارم	۸۰۸	معہ	صہ
" پنجم	۳۶۰	۸عہ	للعہ	" پنجم	۴۹۲	صہ	۸ہے
" ششم	۶۱۲	عہ	للعہ	" ششم	۸۷۲	معہ	صہ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۱

جنوری سنہ ۱۹۴۳ء تا جون سنہ ۱۹۴۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

جلد ۵۱

جنوری سنہ ۱۹۴۳ء تا جون سنہ ۱۹۴۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۵۱ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

رُجوع اور اعتراف

میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی، اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہوگیا، یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کرلئے، میری تحریر کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا ہے، اور اب ۱۹۴۳ء ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کرلئے، جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں، اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہونگی تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے،

از کردۂ ناصواب یارب توبہ

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہوگئے، یاد نہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا، اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباعِ حق کے بجائے اتباعِ ہوی کے موقعے کہاں کہاں پیش آئے، اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبانِ حال یہ صدائے غیب آتی ہے،

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت ۔۔۔ مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

کتابوں، اور مضمونوں کے ہزارہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے، اور کسی باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے، جس سے اتباعِ حق کے بجائے اتباعِ ہوی کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حالت میں قصوروار ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے، اور اس کا علم و عمل کی

لغزش گاہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے، اس لئے یہ خاکسار ہیچمداں علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دانستہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف اور اپنی ہر اُس رائے سے جس کی سند کتاب وسنت میں نہ ہو اعلانِ براءت کرتا ہے، وما توفیقی الا باللہ تعالیٰ

مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے علٰحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید تمامہ نہیں ہوسکی ہے، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے، لیکن کبھی کوئی ایسی رائے اختیار نہیں کی جس کی تائید ائمۂ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے،

ایسا بھی دو چار دفعہ ہوا ہے کہ ایک تحقیق کے بعد دوسری تحقیق سامنے آئی ہے اور اپنی غلطی ظاہر ہوئی ہے تو بعد کے اڈیشن میں اسی کے مطابق تبدیلی کردی ہے، مثلاً معراج بحالت بیداری و بجسم ہونے پر قرآن پاک سے صحیح استدلال مجھے پہلے نہیں مل سکا، اور بعد کو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی توفیق سے صحیح دلیل سجھادی تو دوسرے اڈیشن میں اُسکو بڑھا کر مقام کی تصحیح کردی، اسی طرح فنائے نار کے مسئلہ میں پہلے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی پیروی میں کچھ لکھا گیا، بعد کو جمہور کی رائے کا اضافہ کرکے دونوں کے دلائل کی تشریح کردی، اور اب بحمد اللہ کہ اس باب میں جمہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آگیا ہے، وما توفیقی الا باللہ،

مسئلہ تصاویر کے متعلق میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا، جسمیں ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر اور خصوصاً نصف حصۂ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا، اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے مضامین لکھے ہیں، جنمیں سے بعض میرے موافق ہے اور بعض مخالف ہیں، لیکن بہرحال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آگئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ صحیح یہی ہے، کہ امر اوّل دستی تصویر کی طرح نا

ہے، اور امر ثانی کا کھینچنا جائز اور کھچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرہ کے دونوں جائز، پوری تفصیل آئندہ لکھی جائیگی، انشاء اللہ

زیوروں میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیکر اب تک اختلاف ہے، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عدم وجوب کی قائل تھیں، سیرت عائشہ صدیقہؓ میں اُن کے اس مسلک کی تشریح میرے قلم سے کچھ اس انداز میں نکلی ہے جس سے اس مسئلہ میں ان کی اس رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ ایک صاحب علم نے بڑی خوبی سے اس کا جواب بھی ایک رسالہ میں لکھا ہے، جو شائع ہو چکا ہے، اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دینا ہے اور کہدینا ہے کہ میں زیوروں میں جمہور کے فیصلہ کے مطابق زکوٰۃ کے وجوب کا قائل اور اسی پر بحمد اللہ عامل ہوں، اور کتاب کے آیندہ اڈیشن میں انشاء اللہ اسکی تصحیح بھی ہو جائے گی،

یہ باتیں کسی معترض کے خوف سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے لکھ رہا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ بار الٰہا مجھے صراطِ مستقیم پر قائم رکھ، اور جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما، اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ، اور مجھے راہِ صواب دکھا، رَبَّنَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا . . . . وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا،

اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا ہو جس نے میری وجہ سے ان مسئلوں میں میری رائے اختیار کی ہو، تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اس میرے رجوع اور تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کرے اور صحیح امر اختیار کرے، علمائے سلف میں اپنی رائے سے رجوع اور ترجیح اور قول ثانی کا رواج عام رہا ہے، یہ ان ہی کا اتباع حق ہے، والحق احق ان یتبع، والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

مقالات

امام ترمذی اور اُن کی جامع

از شاہ معین الدین احمد ندوی

اُمت نے حدیث نبوی کے جن مجموعون کو صحاح کا درجہ دیا ہے، اُن مین ایک امام ابو عیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی کی جامع ترمذی بھی ہے، اگرچہ صحت و وثوق مین اس کا درجہ صحیح بخاری و مسلم کے بعد ہے لیکن محدثین کے نزدیک وہ اپنی خصوصیات اور فوائد کے لحاظ سے حدیث کی تمام کتابون مین ممتاز ہے، شاہ عبد العزیز صاحبؒ لکھتے ہین :-

"داین جامع بہترین آن کتب است بلکہ بہ بعضے وجوہ و حیثیات از جمیع کتب خوبتر واقع شدہ"۔

امام مالکؒ، امام بخاری اور مسلم کے حالات اور ان کی کتابون پر اردو مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن امام ترمذی اور ان کی جامع کا حق ابھی باقی ہے، اس مضمون مین اسی حق کو ادا کرنا مقصود ہے، چنانچہ آیندہ سطور مین امام ترمذی کے حالات اور ان کی جامع کے "خوبتر" ہونے کے وجوہ کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

افسوس ہے کہ مورخین اور اصحابِ طبقات و رجال نے امام ترمذی کے ساتھ وہ اعتنا نہین کیا جس کے وہ مستحق تھے، اسلئے کتابون مین ان کے حالات بہت مختصر ملتے ہین، بہرحال تلاش و تفحص سے جو کچھ مل سکے ہین وہ پیش کئے جاتے ہین،

امام موصوف نسباً قبیلۂ بنی سلیم سے تعلق رکھتے تھے، محمد نام اور ابو عیسیٰ کنیت ہے، نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی بوغی، سمعانی نے ضحاک کے بجائے شداد لکھا ہی[1]

خراسان اور ماوراء النہر کا خطہ ہمیشہ سے علم و فن اور ارباب کمال کا مرکز رہا ہی، تاریخ اسلام کے بہت سے نامور علما اس خاک سے اٹھے، امام ابو عیسیٰ ترمذی بھی اسی مردم خیز سرزمین کے ایک فرزند تھے، صغانیان کے مشہور شہر ترمذ کو آپکے مولد ہونے کا شرف حاصل ہی، ترمذ کا تلفظ تِرمِذ تَرمَذ تُرمُذ تینون طریقون سے ہی لیکن عام طور سے ترمذ ہی مشہور ہے، یاقوت نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے،[2]

یہ شہر دریاے جیحون کے مشرقی کنارے پر بلخ کے محاذ مین کسی زمانہ مین بڑا آباد اور بارونق شہر تھا، یہان بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے سمعانی اور یاقوت نے بعض کے مختصر حالات لکھے ہین، بوغی ایک قریہ بوغ کی جانب نسبت ہی، جو ترمذ سے چھ فرسخ کی مسافت پر ہی بعض روایتون کے مطابق امام ترمذی اسی مین آسودۂ خواب ہین،[3]

پیدایش امام موصوف ۲۰۹ھ مین ترمذ مین پیدا ہوئے، اس کی تفصیل نہین ملتی، کہ انھون نے ابتدائی تعلیم کہان حاصل کی، لیکن اس زمانہ مین خراسان اور ماوراء النہر کا علاقہ علم و فن کا مرکز بن چکا تھا، اور امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث کی مسند علم بچھ چکی تھی، اور دور دور کے تشنگان علم یہان پہنچ کر آتے تھے، اس سے قیاس یہی ہی، کہ امام ترمذی نے ابتدائی تعلیم یہین حاصل کی ہو گی،

سماع حدیث کے لئے سفر اسلام کی تعلیمات اور علم دین کی بنیاد کتاب اللہ کے بعد حدیث نبوی پر ہے، اس کے بغیر دین کا صحیح اور پورا علم نہین ہو سکتا، اس لئے ہر دور مین مسلمانون نے اسکی جانب بڑا اعتنا کیا، خصوصاً ابتدائی چند صدیون مین اسکی حفاظت و اشاعت کا اتنا اہتمام کیا کہ جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم پیش نہین کر سکتی، نفس حدیث کے متعلق بہت سے علوم ایجاد ہو گئے، حجاز، عراق، خراسان،

---

[1] دیکھو کتاب الانساب نسبت ترمذی [2] معجم البلدان ج ۲ ص ۳۸۲ ذکر "ترمذ" [3] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۸۳،

ماوراء النہر، شام، مصر و مغرب وغیرہ دنیاے اسلام کے گوشہ گوشہ مین مرکز حدیث قائم ہو گئے تھے، حجاز کے بعد عراق و خراسان کو اس باب مین ایک خاص امتیاز حاصل رہا ہی، اکثر بڑے بڑے محدثین یہین پیدا ہوئے اس لئے ان مقامات مین حدیث کا ذوق و شوق عام تھا، امام بخاری کے علم و شہرت نے اس شوق کو اور بڑھایا، اسی ماحول مین امام ترمذی کا نشو و نما ہوا، خود ان کے وطن مین امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث پیدا ہو چکے تھے، اس لئے امام ترمذی کو بھی حدیث نبوی کا شوق دامنگیر ہوا، چنانچہ انھون نے خراسان اور ماوراء النہر کے علاوہ سماع حدیث کیلئے دنیاے اسلام کے مختلف حصون کا سفر کیا، حافظ ابن حجر لکھتے ہین، طاف البلاد و سمع خلقاً من الخراسانیین والعراقیین والحجاز۔[1]

ان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہی ان کے نامون پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ انھون نے اس دور کے ہر خرمن حدیث سے خوشہ چینی کی، ان مین بخاری و مسلم کے شیوخ بھی ہین، ان سب کا استقصاء دشوار ہے، سمعانی اور ذہبی نے بعض ممتاز شیوخ کے نام لکھے ہین، امام بخاری، مسلم، علی بن حجر مروزی، ہناد بن سری، ابو کریب محمد بن العلاء، محمد بن موسی الزمن، محمد بن بشار، عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، قتیبہ بن سعید، ابو مصعب، ابراہیم بن عبد اللہ ہروی، اسمٰعیل بن موسیٰ، سوید بن نصر، محمد بن عبد الملک، عبد اللہ بن معاویہ جمحی وغیرہ،[2] یہ تمام شیوخ اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے، اکثر اصحاب صحاح نے ان سے استفادہ کیا ہی، ان کے مختصر حالات یہ ہین:

(۱) **ابو الحسن علی بن حجر بن ایاس سعدی مروزی** بڑے متبحر عالم اور اکابر حفاظ حدیث مین تھے، شعر و ادب کا بھی ذوق رکھتے تھے، حدیث کے علاوہ قرآن کے بڑے عالم تھے، ذہبی نے ان کی کتاب احکام القرآن کا ذکر کیا ہی، ۲۴۴ھ مین وفات پائی،[3]

---

[1] تہذیب التہذیب [2] کتاب الانساب نسبت ترمذی و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۰، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۶،

(۲) ابو السری ہناد بن سری تمیمی بڑے عابد و مرتاض محدث تھے، ذہبی انھین قدوہ زاہد اور شیخ الکوفہ لکھتے ہین، ساری عمر علائقِ دنیوی سے آزادرہ کر عبادت و ریاضت مین بسر کی، زہد و عبادت کی وجہ سے کوفہ کے راہب کہلاتے تھے، امام حنبل لوگون کو ان کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے زہد پر ایک کتاب بھی لکھی تھی، ۲۴۳ھ مین وفات پائی،[۱]

(۳) ابو کریب محمد بن العلاء بڑے جلیل القدر حافظ تھے، کوفہ مین ان کا کوئی مقابل نہ تھا، حفظِ حدیث مین وہ اپنے شیوخ سے بھی زیادہ معتبر مانے جاتے تھے، انھون نے کوفہ مین تین لاکھ حدیثون کی اشاعت کی، ان کے ایک شاگرد موسی بن اسحٰق نے ان سے ایک لاکھ حدیثین سنی تھین، ۲۴۸ھ مین وفات پائی،[۲]

(۴) ابو بکر محمد بن بشار بن عثمان عبدلی بصرہ کے بڑے حافظِ حدیث تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہے، ان کی روایات مین بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ان کا درجہ اس سے ظاہر ہے، کہ بخاری و مسلم ان سے حدیثین لیتے تھے، ۲۵۲ھ مین وفات پائی،[۳]

(۵) ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن تمیمی دارمی سمرقند کے جلیل القدر عالم اور حافظِ حدیث تھے، ان کی علمی جلالت اور حفظِ حدیث پر محدثین کا اتفاق ہے، امام احمد بن حنبل انھین امامِ حدیث کہتے تھے، فقہ و تفسیر مین بھی کمال حاصل تھا، زہد و ورع مین بھی ممتاز تھے، محمد بن ابراہیم کا بیان ہے، کہ وہ عقل و دیانت کے انتہائی درجہ پر تھے، ان کا علم، حفظ و درایت، اور زہد و عبادت ضرب المثل تھا، سمرقند مین انھی کی ذات سے حدیث و آثار کی اشاعت ہوئی، وہ مفسر کامل اور فقیہ عالم تھے، فنِ حدیث و تفسیر مین ان کی تصانیف ہین، ابن حبان لکھتے ہین کہ وہ حافظ متقن اور زاہد و متورع تھے، انھون نے حفظ کیساتھ حدیثون کو جمع کیا، ان کو سمجھا، اس پر کتاب لکھی، سنت کو پھیلایا، اس کی حفاظت

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۶ ۲؎ ایضاً ص ۸۰ ۳؎ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۷۰، ۷۱،

کی، اسکی دعوت دی، اس کے مخالفون کو مٹایا، خطیب لکھتے ہین، کہ انھون نے حدیث کی تلاش مین بڑے طویل سفر کئے، وہ حفظ و اتقان، صدق و ورع، زہد و عبادت تمام کمالات کے جامع تھے، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی سب نے ان سے فیض حاصل کیا ہے، دنیاوی وجاہت سے بھاگتے تھے، ایک مرتبہ اصرار سے مجبور ہو کر عہدۂ قضا قبول کر لیا تھا، لیکن پھر ایک ہی فیصلہ کے بعد مستعفی ہو گئے، ۲۵۵ھ مین وفات پائی،[۱]

(۶) ابو رجا قتیبہ بن سعید بلخی بغلانی خراسان کے نامور حافظ حدیث تھے، حافظ ذہبی انھین شیخ الحفاظ اور محدث خراسان لکھتے ہین، ان کے حفظ پر محدثین کا اتفاق ہے، دولتِ علم کے ساتھ دولتِ دنیا سے بھی بہرہ ور تھے، ۲۴۰ھ مین وفات پائی،[۲]

(۷) ابو مصعب احمد بن ابی بکر زہری، امام مالک کے شاگرد رشید اور مدینہ کے مشہور محدث فقیہ اور قاضی تھے، فقہ مین ان کا پایہ بہت بلند تھا، ذہبی انھین امام الفقیہ لکھتے ہین، اہلِ مدینہ کے مذاہب پر بڑی وسیع نظر تھی، ابن حجر نے سنہ وفات ۲۴۲ھ اور ذہبی نے ۲۹۹ھ لکھا ہے،[۳]

(۸) ابو اسحٰق ابراہیم بن عبد الرحمن ہروی اصل وطن ہرات تھا، لیکن بغداد مین متوطن ہو گئے تھے، ہرات کے ممتاز حفاظ مین تھے،[۴]

(۹) ابو محمد اسمٰعیل بن موسی فزاری، کوفہ کے محدث تھے، ان کے تشیع کی وجہ سے بعض محدثین نے ان کی روایات مین کلام کیا ہے، لیکن ابن حبان نے ثقات مین لکھا ہے، اور بخاری، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے، ۲۴۵ھ مین وفات پائی،[۵]

(۱۰) ابو بکر محمد بن عبد الملک امام احمد بن حنبل کے خاص اصحاب ہین، بغداد کے محدث تھے،

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۹۶، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۳ ۳؎ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰ و تذکرہ جلد ۲ ص ۶۴ ۴؎ تہذیب تذکرہ ابراہیم ۵؎ تہذیب جلد اول ص ۳۳۵ و ۳۳۶،

طلب حدیث میں بڑے طویل سفر کئے، تمام اصحاب سنن نے اُن سے روایتیں لی ہیں، ۲۵۸ھ میں وفات پائی،[۱]

(۱۱) ابو جعفر عبد اللہ بن معاویہ جمحی بصرہ کے محدث تھے، ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے، اصحاب صحاح میں ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے شیخ تھے، ۲۴۳ھ میں وفات پائی،[۲]

حافظ | امام ترمذی کے لئے قدرت کی جانب سے حفظ حدیث کے تمام سامان فراہم ہو گئے تھے، ایک طرف شیوخ میں ایسے اکابر محدثین سے استفادہ کا موقع ملا، دوسری طرف حافظہ نہایت قوی تھا، اسکا ایک حیرت انگیز واقعہ رجال کی تقریباً سب کتابوں میں مذکور ہے، کہ انھوں نے ایک شیخ سے ایک جزو کے بقدر حدیثیں قلمبند کیں، اتفاق سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو پھر ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا، انھوں نے شیخ مذکور سے دوبارہ سماع حدیث کی درخواست کی، شیخ نے سنانا شروع کی، امام ترمذی کے ہاتھ میں ایک سادہ بیاض تھی، شیخ کو شبہہ ہوا کہ اس میں وہ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں، اور ابو عیسیٰ امتحاناً ایسا کر رہے ہیں، اس لئے ان کو ناگوار ہوا، ابو عیسیٰ نے یہ غلط فہمی دور کر کے کہا کہ مجھے آپ کی حدیثیں حفظ ہیں، اور اسی وقت کل حدیثیں سنا دیں، شیخ نے کہا معلوم ہوتا ہے تم نے میرے پاس آنے سے پہلے ان کو حفظ کر لیا تھا، ابو عیسیٰ نے کہا نہیں، اگر آپ کو شبہہ ہو، تو دوسری حدیثیں سُنا کر امتحان کر لیجئے، شیخ نے امتحاناً چالیس غریب حدیثیں سنائیں، ابو عیسیٰ نے صرف ایک مرتبہ سُن کر اسی وقت چالیسوں حدیثیں دہرا دیں، یہ غیر معمولی حافظہ دیکھ کر شیخ کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا،[۳]

یوں تو امام ترمذی نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا، لیکن جس سے ان کو سب سے زیادہ فائدہ پہونچا، وہ امام بخاری ہیں، وہ امام بخاری کے خاص تلامذہ میں تھے، ان کے فیض اور امام ترمذی کے حافظہ ذوق و شوق اور تلاش و جستجو نے ان کو اس عہد کا امام حدیث بنا دیا، ان کے علم و کمال پر

---

[۱] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ [۲] تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸ [۳] بستان المحدثین صفحہ ۱۲۱

تمام محدثین اور علماء کا اتفاق ہے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ امام ترمذی ان لوگوں میں تھے جنھوں نے حدیثوں کا ذخیرہ جمع کیا، اس پر تصنیف کی اور انھیں حفظ کیا،[۱] حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں ان کو امام حدیث لکھتے ہیں،[۲]

امام بخاری کے بعد خراسان میں اُن سے بڑا کوئی محدث نہ تھا، مات البخاری ولم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والورع[۳] وہ امام بخاری کے خلیفہ شمار کئے جاتے تھے،[۴] خود امام بخاری کو لائق شاگرد پر ناز تھا، اور انھوں نے ان الفاظ میں ان کے کمال علم کی سند عطا کی تھی، کہ "تم نے مجھ سے جتنا فائدہ حاصل کیا، اس سے زیادہ میں نے تم سے حاصل کیا"[۵] اس سند کے بعد امام ترمذی کے لئے اور کسی سند کی ضرورت نہیں رہجاتی، امام بخاری نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے،

تلامذہ | ان کے علمی کمالات نے ان کی ذات کو طالبان حدیث کا مرجع بنا دیا تھا، ان کے تلامذہ میں خراسان اور ترکستان کے علاوہ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے آدمیوں کے نام ملتے ہیں، چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں[۶] :-

ابو حامد احمد بن عبد اللہ بن داؤد مروزی، ہیثم بن کلیب الشاشی، محمد بن محبوب، ابو العباس محبوبی مروزی، احمد بن یوسف نسفی، ابو الحارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نصر بن سہل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمود بن نمیر، محمد بن محمود، محمد بن مکی بن نوح، ابو جعفر محمد بن سفیان بن النضر، محمد بن المنذر وغیرہ،

تفسیر | حدیث امام ترمذی کا خاص فن تھا، اس کے علاوہ تفسیر میں پورا درک اور فقہ میں کمال رکھتے تھے، ترمذی میں انھوں نے ابواب تفسیر کے تحت میں آیات قرآنی کے متعلق جو احادیث نبوی

---

[۱] تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹ [۲] تہذیب و تذکرۃ الحفاظ حوالہ مذکور [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۰۸، [۴] بستان المحدثین صفحہ ۱۲۱ [۵] تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹ [۶] ایضاً صفحہ ۳۸۸،

اور آثار صحابہ جمع کئے ہیں، ان سے تفسیر کے متعلق ان کے علم و نظر کا اندازہ ہوتا ہے،

تفقہ | حفظِ حدیث کے ساتھ وہ مجتہد فقیہ تھے، ان کے تفقہ پر جامع ترمذی شاہد ہے، ترمذی کا خاص امتیاز یہی ہے کہ وہ محض احادیث کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ فقہی اجتہاد کی کتاب بھی ہے، اس میں امام ترمذی نے مختلف ائمہ کے فقہی مذاہب، ان کے استنباطات اور دلائل کو جمع کر دیا ہے، اور جا بجا اس پر تنقید بھی کرتے گئے ہیں، مزید بحث آیندہ آئے گی،

عملی زندگی | امام ترمذی میں جس درجہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل اور زہد و تقویٰ بھی تھا، وہ زہد وورع میں بھی امام بخاری کے جانشین تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، مات البخاری ولم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزھد[1]

خشیتِ الٰہی | انکا دل خشیتِ الٰہی سے اتنا لبریز تھا، کہ ہر وقت رویا کرتے تھے، اور روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی،[2] لیکن دل کی آنکھیں روشن ہو گئی تھیں، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ پیدائشی نابینا تھے، لیکن یہ صحیح روایتوں کے خلاف ہے، اور یوں بھی خلاف قیاس ہے، اسلئے کہ ایک نابینا کا ایسے زمانہ میں جب کہ سفر کی سہولتیں نہ تھیں، ساری دنیاے اسلام کی خاک چھاننا عقل سے بعید ہے، اور طلبِ حدیث کے لئے امام ترمذی کی سیاحت مسلّم ہے،

تصانیف | مورخین کے اجمالی بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ امام ترمذی کی بہت سی تصانیف تھیں، لیکن ان کی تین تصانیف کا علم ہے، جامع یا سننِ ترمذی شمائل ترمذی اور کتاب العلل، ابن ندیم نے تین کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں دو تو ترمذی اور کتاب العلل ہیں، لیکن تیسری کا نام اس نے کتاب التاریخ لکھا ہے،[3]

ترمذی سے پہلے کی کتبِ حدیث | امام ترمذی سے بہت پہلے مسلمانوں میں نہ صرف حفظ و طلبِ حدیث بلکہ اسکی تدوین کا بھی شوق پیدا ہو گیا تھا، اور محدثین کی یادداشتوں کے علاوہ باقاعدہ

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۔ [2] ایضاً [3] فہرست ابن ندیم ص ۳۲۵،

مرتب و مبوب کتابیں مرتب ہو چکی تھیں، خود ترمذی کے زمانہ میں بھی حدیث کی مختلف قسموں کے مجموعے مرتب ہوئے، ان میں اولیت کا سہرا امام دار الہجرۃ امام مالک کے سر ہے، موطا کے علاوہ اس وقت تک حدیث کی جو کتابیں تالیف ہو چکی تھیں، ان میں سے بعض قابلِ ذکر کتابوں کے نام یہ ہیں:

مسند ابو داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ مصنف عبد الرزاق بن ہمام المتوفی سنہ ۲۱۱ھ، مسند عبد اللہ ابن زبیر حمیدی المعروف بہ مسند حمیدی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ، سنن سعید بن منصور المتوفی سنہ ۲۲۹ھ، مسند عبد اللہ ابن محمد المعروف بہ مسند ابن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ، مسند عبد اللہ بن حمید الکشی المتوفی سنہ ۲۴۹ھ، مسند احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ، مسند عبد اللہ بن عبد الرحمٰن تیمی دارمی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ، صحیح محمد بن اسمٰعیل بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ، سنن ابی مسلم ابراہیم بن عبد اللہ بصری المعروف بہ سنن ابی مسلم کشی سنہ ۲۶۱ھ، صحیح مسلم بن حجاج المتوفی سنہ ۲۶۱ھ، مسند حارث بن اسامہ المتوفی سنہ ۲۶۲ھ، سنن ابی داؤد المتوفی سنہ ۲۷۵ھ، مصنف ابن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ[1]

ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ امام ترمذی سے پہلے کتنے راہرو اس دشوار گذار منزل سے گذر چکے تھے، گو ان میں سے زیادہ تر موطا امام مالک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو حسنِ قبول کا درجہ حاصل ہوا، لیکن اعتبار اور استناد سے بعض اور کتابیں بھی محروم نہ رہیں،

ان کی موجودگی میں حدیث کی کسی اور کتاب کی تالیف کا خیال اور اس کا حسنِ قبول پانا اور بھی دشوار تھا، اس لئے امام ترمذی نے گذشتہ کتابوں سے الگ اپنی راہ نکالی، اور اپنی کتاب میں ایسی خصوصیات پیدا کیں، جن سے گذشتہ کتابیں خالی تھیں، اس سے نہ صرف یہ کتاب اپنی ماسبق کتابوں سے ممتاز ہو گئی، بلکہ فائدہ کے لحاظ سے بھی سب سے بڑھ گئی، اسکی تفصیل آیندہ آئیگی،

ترمذی | تمام فنون خصوصاً فنِ حدیث میں کمیت سے زیادہ اس کی کیفیت نقص و کمال کا معیار ہے،

[1] ان کتابوں کی تفصیل کے لئے دیکھو بستان المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی،

یعنی روایت اور درایت کے اصول سے احادیث کا درجہ کیا ہے، اس اعتبار سے صحیح حدیثوں کا مختصر مجموعہ معلل حدیثوں کے ضخیم مجموعوں سے کہیں بہتر ہے، اسی معیار سے ہم کو جامع ترمذی کا جائزہ لینا ہے، ترمذی کا درجۂ صحت اس سے ظاہر ہے، کہ امت نے اس کو صحاح کا درجہ دیا، اور ترتیب میں اس کو صحیحین کے بعد ہی جگہ ملی۔

حدیث کی صحت و عدم صحت کا مدار دو چیزوں پر ہے، رواۃ کی حیثیت اور سلسلۂ سند کی کیفیت اصول حدیث کی رو سے رُواۃ کے بارہ میں سب اصحاب صحاح کے بنیادی شرائط تقریباً یکساں ہیں، یعنی راوی کا اسلام، فہم و فراست، صداقت، عدم تدلیس، عدالت مع جملہ شرائط، حفظ، ضبط، تیقظ، عدم وہم، سلامت ذہن اور صحت عقیدہ سب کے نزدیک ضروری شرائط ہیں[1]،

پھر ان اوصاف میں کمی و زیادتی کے اعتبار سے رواۃ کے مدارج قائم ہو جاتے ہیں، اور ان مدارج اور سند کی حیثیت اور اس کے اقسام کے اعتبار سے حدیث کی صحت و عدم صحت اور نقص وکمال سے اختلاف شروع ہوتا ہے، مثلاً امام بخاری اور مسلم عموماً وہی حدیثیں قبول کرتے ہیں جن کے راویوں کی ثقاہت و عدالت متفق علیہ ہو، جرح و تعدیل کی رو سے بالکل مامون و مصئون ہوں، سند نقائص سے پاک ہو، بلکہ حاکم نے صحیحین کے شرائط میں ایک روایت کے لئے ان اوصاف کے دو راویوں کے ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ شرط کلیہ کی صورت میں صحیح نہیں ہے، کیونکہ بخاری کی تمام روایتیں اس شرط کے مطابق نہیں ہیں، البتہ اسکا بڑا حصہ اسی قسم کا ہے،

امام ترمذی کا نقطۂ نظر یہ ہے، کہ روایت کسی نہ کسی امام یا محدث کی معمول بہا ہونا چاہیے، خواہ راوی اور سند اصول حدیث کی رو سے یکسر نقائص سے پاک نہ ہو، چنانچہ وہ چوتھے طبقہ تک کے راویوں کی روایتیں قبول کر لیتے ہیں، اور صحیح، متصل اور مرفوع روایتوں کے ساتھ ضعیف، مرسل،

[1] اصحاب ستہ کے شرائط بہت سی کتابوں میں ہیں، ہماری پیش نظر ابوبکر حازمی کی شروط الائمۃ الخمسہ ہے،

منقطع اور مضطرب روایتوں کو بھی رد نہیں کرتے، لیکن عموماً اس قسم کی روایتوں کو وہ شواہد اور متابعات کی حیثیت سے لیتے ہیں، یعنی ایک صحیح روایت کے ساتھ اسکی تائید میں دوسری معلل روایت قبول کرتے ہیں، لیکن وہ ہر روایت کا عیب و ہنر اور نقص و کمال بھی ظاہر کر دیتے ہیں، اس لئے پڑھنے والے کو اسکی حیثیت اور درجہ کا علم ہو جاتا ہے، یہ خصوصیت ترمذی کے علاوہ صحاح کی اور کسی کتاب میں نہیں ہے،

ترمذی کی خصوصیات گو صحاح میں ترتیب کے لحاظ سے ترمذی کا درجہ صحیحین کے بعد ہے، لیکن اسکی خصوصیات کی وجہ سے اس کا افادہ صحاح کی تمام کتابوں سے زیادہ عام ہے، شیخ الاسلام اسمٰعیل ہروی لکھتے ہیں، کہ ترمذی، بخاری اور مسلم سے زیادہ فائدہ بخش ہے، ان دونوں کتابوں سے صرف صاحب کمال اور صاحب نظر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور ترمذی نے احادیث کی ضروری شرح بھی کر دی ہے، اس لئے اس سے محدثین، فقہا وغیرہ ہر طبقہ کے لوگ مستفید ہو سکتے ہیں[1]،

ترمذی کی یہ خصوصیات حسب ذیل ہیں،

(۱) اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکی تمام حدیثیں کسی نہ کسی امام محدث یا فقیہ کی معمول بہا ہیں، یعنی ہر روایت کسی نہ کسی صاحب علم کے نزدیک صحیح اسقام سے پاک لائق احتجاج اور قابل عمل ہے، صرف دو حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ "رسول اللہ صلعم نے بغیر خوف و خطرہ یا سفر اور بارش کی رخصت کے مدینہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں" دوسری یہ کہ جب کوئی شراب پئے تو اوس کے کوڑے لگاؤ، تین مرتبہ سزا کے بعد بھی اگر باز نہ آئے تو قتل کر دو[2]،

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایک طرف اس میں روایات کی تکرار بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، دوسری طرف ایک مسئلہ کے متعلق مختلف روایتوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے، مثلاً ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھ دیتے ہیں، کہ اس باب میں فلاں فلاں راویوں سے بھی حدیث مروی ہے،

[1] مقدمۂ احوذی [2] کتاب العلل صفحہ ۲۳۶،

اور اس روایت کے متن میں جو کمی یا زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جرح و تعدیل کی رو سے جس روایت یا سند میں جو عیب و ہنر ہوتا ہے، اس کو ظاہر کر دیتے ہیں، مثلاً یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، مضطرب ہے، مرسل ہے، منقطع ہے، غیر محفوظ ہے، سند قوی نہیں ہے، فلان راوی متکلم فیہ ہے، اس کے حفظ میں کلام ہے یا نسیان ہے، وغیر ذلک، جس سے پڑھنے والے کو اسکی حیثیت اور درجہ کا علم ہو جاتا ہے،

(۴) چوتھی یہ کہ فقہی حدیثوں میں فقہاء کے مذاہب، ان کے استنباطات، دلائل اور ان کے اختلافات اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں، مثلاً اس حدیث سے فلان امام نے احتجاج و استدلال کیا ہے، اس میں یہ اختلاف ہے، یا اس کا استدلال صحیح نہیں ہے، اس سے ائمہ کے مذاہب اور ان کے اختلافات کا بھی علم ہو جاتا ہے، اس خصوصیت نے ترمذی سے فقہی استفادہ کو بہت آسان کر دیا ہے،

(۵) پانچویں یہ کہ رواۃ کے ناموں، کنیتوں اور القاب کے اجمال کی تفصیل کر دی ہے،

انکی ان خصوصیات نے ترمذی کی افادی حیثیت کو بھی بڑھا دیا ہے، ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ حسن ترتیب، مکررات کی کمی اور فائدہ کی زیادتی کے لحاظ سے ترمذی حدیث کی بہترین کتابوں میں ہے، اس کے علاوہ اور کسی کتاب میں مختلف مذاہب ان کے وجوہ استدلال اور حسن و غریب حدیث کے اقسام کی تفصیل نہیں ہے[1]،

شمائل ترمذی کے محشی شیخ ابراہیم بن محمد شافعی باجوری کہتے ہیں، کہ امام ترمذی کی جامع تمہارے لئے کافی ہے، وہ تمام حدیثی اور فقہی فوائد اور سلف و خلف کے مذاہب کی جامع مجتہد کے لئے کافی اور مقلد کو دوسری کتابوں سے بے نیاز کرنے والی ہے[2]،

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک جامع ترمذی، بخاری، مسلم اور ابوداؤد تینوں کی بعض اچھی

[1] جامع الاصول وحط ص [illegible] [2] مواہب لدنیہ ص [illegible]

خصوصیات کی جامع ہے اور اس میں ان سے زیادہ مفید باتیں ہیں، چنانچہ وہ بخاری، مسلم اور ابوداؤد کی خصوصیات بتانے کے بعد لکھتے ہیں، چوتھے ابو عیسیٰ ترمذی ہیں، انھوں نے بخاری، مسلم اور ابوداؤد تینوں کی بعض خصوصیات کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، شیخین کے طریقہ پر متون اور اسناد کے ابہام کی تفصیل کر دی ہے، اور ابوداؤد کے طریقہ پر ان احادیث کو جمع کر دیا جن پر کسی کا عمل ہے، اور ان تینوں پر یہ اضافہ ہے، کہ صحابہ اور مختلف ملکوں کے فقہاء کے مذاہب کا بھی ذکر کرکے اپنی کتاب کو جامع بنا دیا ہے، طرق حدیث کا نہایت لطیف اختصار کیا ہے، اس طرح کہ ایک حدیث نقل کرکے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اور ہر حدیث کے عیب و ہنر کو ظاہر کر دیا ہے کہ صحیح یا حسن یا ضعیف یا منکر ہے، اور وجہ ضعف بھی بتا دی ہے، تاکہ طالب کو قابل اعتبار اور ناقابل اعتبار حدیث سے واقفیت ہو جائے، ...... جس کا نام بتانے کی ضرورت تھی، اس کا نام لے لیا ہے، جس کی کنیت کی ضرورت تھی، اس کی کنیت بتا دی ہے، غرض انھوں نے صاحب علم کے لئے کوئی چیز مخفی نہیں چھوڑی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جامع ترمذی مجتہد کے لئے کافی اور مقلد کے لئے دوسری کتابوں سے بے نیاز کرنے والی ہے[1]،

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رقمطراز ہیں، کہ "یہ جامع ترمذی حدیث کی بہترین کتابوں میں ہے، بلکہ بعض وجوہ اور حیثیات سے حدیث کی تمام کتابوں سے بہتر ہے، ایک ترتیب و عدم تکرار کی حیثیت سے، دوسرے فقہا کے مذاہب اور ان کے استدلال کے ذکر کی حیثیت سے، تیسرے حدیث کے اقسام صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بعلل کے ذکر کی حیثیت سے، چوتھے رواۃ کے نام، ان کے القاب اور کنیتوں اور علم رجال کے متعلق دوسرے فوائد کی حیثیت سے[2]، (باقی)

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۲۱ [2] بستان المحدثین ص ۱۲۱

حقیقتِ معرفت

از

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

پچھلے سال ادارۂ معارفِ اسلامیہ کا جو جلسہ لکھنؤ میں ہونے والا تھا، اس کے لئے متعدد حضرات نے کچھ مقالے تحریر فرمائے تھے، اجلاس کے التوا کے بعد بعض اصحاب نے وہ مضمون ہمارے پاس بھیجدیئے، جن میں سے ایک مضمون ہمارے فاضل دوست مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی صاحبِ اعلاء السنن کا ہے، جو پیش ہے، وہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے مجوزہ اجلاس کے نمایندہ منتخب ہوئے تھے، موصوف ادب عربی میں کامل اور دینیات میں ماہر ہیں، اعلاء السنن کی ۱۲ جلدیں ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں، چونکہ مجوزہ اجلاس "معارفِ اسلامیہ" کے نام سے ہو رہا تھا، اور موصوف علومِ ظاہر کے ساتھ علومِ باطن سے بھی مالامال ہیں، اس لئے اس سے موصوف کا خیال لفظ معرفت اور اسلام کی حقیقتِ باطنی کی طرف ملتفت ہوا، اجلاسِ مذکور میں جہاں ٹھوس اور جامد مقالاتِ تحقیقیہ کی بھرمار ہوتی، یہ مضمون بہتوں کو لفظ کو چھوڑ کر معنی کی طرف دعوت دیتا، اور دوسروں کو سمجھنے سے پہلے خود اپنے کو سمجھنے کا خیال پیدا کرتا، "س"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

سبحان الذی لم یجعل للخلق طریقاً الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ لان الکون بجانبہ لیس بشیٔ عند ذرۃ من اول بادیۃ ومن بوادی سطوات عظمتہ والصلوٰۃ

والسلام علی من خصہ اللہ من بین الخلائق بشرف تکمیل عبدیتہ سید الانبیاء والعارفین عبد اللہ ورسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وذریتہ،

اما بعد! محترم صدر و معزز اراکین و حضرات حاضرینِ جلسہ!

میں آپ کی اس عزت افزائی کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے ظلوم وجہول کو ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے اجلاس میں دعوتِ شرکت کے ساتھ تقریر کا بھی موقع دیا گیا، آپنے بہت دور سے مجھے جذب کیا ہے، یا یوں کہئے کہ میں بہت دور سے آپ کی طرف کھنچ آیا ہوں،

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ۔ گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

معرفت

شاید آپ کو تعجب ہوگا کہ اس ملا کے لئے اس مجلس میں کونسی وجہ جاذبیت موجود تھی، اس کو تو نہ مشرقی علوم سے واقفیت نہ مغربی علوم کی خبر، نہ اس قسم کے جلسوں کے آداب سے آشنا، نہ ایسی مجالس میں بولنے کا سلیقہ، سو واقعی میرے لئے ان اسباب میں سے کوئی سبب بھی جاذب نہیں ہوا، میرے لئے صرف آپ کے ادارہ کا نام جاذب بنا ہے یعنی ادارۂ معارفِ اسلامیہ جس نے میرے دل کے ساتھ وہ کیا جو لیلیٰ کے نام نے کسی کے ساتھ کیا تھا، ؎

وداع دعا اذ نحن بالخیف من منی ۔ فھیج احزان الفؤاد وما یدری

ایک پکارنے والے نے پکارا جب ہم منی کے مقام خیف میں تھے، اوس نے اس پکار سے نادانستہ میرے دل کے غم کو ابھار دیا،

دعا باسم لیلیٰ غیرھا فکانما ۔ اطار بلیلیٰ طائرا کان فی صدری

اوس نے ایک اور لیلیٰ کا نام لے کر پکارا تھا تو گویا ۔ لیلیٰ کا نام لیکر اس نے ایک پرندہ کو جو میری سینہ میں تھا اڑا دیا

اس نام سے مجھے معرفت کی بو آئی، معرفت نے دل میں آگ لگا دی، اور ایک خاص سماں سامنے کر دیا جس کی ایک تجلی نے تمام عالمِ ارواح کو مستِ بادۂ الست بنا دیا تھا، ؎

سامنے سے جب وہ شاہ دلربا آجائے ہے | تھامتا ہون پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ | من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

ہم شاہِ جذیمہ کے دونوں ندیمون کی طرح، مدت تک اس طرح ساتھ رہے، کہ کہا جانے لگا کہ اب ایک دوسرے سے الگ نہ ہون گے،"

فلما تفرقنا کانی ومالکا، | بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معًا

لیکن مین اور مالک جب ایک دوسرے سے الگ ہوے تو اس مدت کی یکجائی کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ہم نے ایک رات بھی ساتھ بسر نہین کی،

معرفت اپنے اندر معروف اور عارف اور میدانِ معرفت اور عرفات اور یوم عرفہ سب ہی کو لئے ہوئے ہے، اور ایک مسلمان کے لئے جو اس میخانہ کا پرانا میخوار ہے، ان مین سے ایک کی یاد بھی مست کردینے کو کافی ہے، اور سب ہی جمع ہو جائین، تو کیا حال ہوگا؟

صغیر ھواک عذبنی | فکیف بہ اذا احتنکا

تیرے عشق کا چھوٹا سا ذرہ بھی مجھے مبتلائے عذاب کرتا ہے تو اگر وہ چھا جائے تو کیا حال ہوگا

وانت جمعت فی قلبی | ھوی قد کان مشترکًا

تو نے میرے دل مین اوس عشق کو بھر دیا ہے جو ہم دونوں میں مشترک تھا

اما ترثی لمکتئب | اذا ضحک الخلی بکی

کیا تجھے اس غمزدہ پر ترس نہیں آتا، جب عشق سے خالی لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے،

آپ کے ادارہ کے نام مین دوسرا لفظ اسلامیہ ہے، جس نے اس حقیقت کو سامنے کر دیا،

ومن احسن قولًا ممن دعا الی | اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہو

اللہ وعمل صالحًا وقال انتی | جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور

منَ المسلمینَ، | کہے کہ میں فرمانبردارون مین سے ہون،

اور اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا:-

ومَن احسن دینًا ممن اسلم وجھہ | اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین

للہ وھو محسنٌ واتبع ملۃ ابرٰھیم | ہوگا، جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

حنیفًا واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا | اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملتِ ابراہیم

(نساء ع ۱۸) | کا اتباع کرے جس مین کجی کا نام نہیں اور

اللہ تعالی نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنایا تھا

اور ملتِ ابراہیم نے مقامِ فنا کی شرح کرتے ہوئے اس واقعہ کو یاد دلادیا:-

فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ | غرض جب دونون نے تسلیم کیا، اور باپ نے

ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا | بیٹے کو کروٹ لٹایا، اور ہم نے ان کو آواز

انا کذلک نجزی المحسنین، | دی، ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ کر

(صفات ع ۳) | دکھایا، وہ وقت بھی عجب تھا، ہم مخلصین نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

جس نے اسلام کی حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا، ؎

آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند | فرزند و عیال و خانمان را چہ کند

یعنی اسلام کی تعریف یہ ہے کہ ؎

خلیل آسا درِ ملکِ یقین زن | صدائے لا احبُّ الآفلین زن

اور ؎

شاد و خندان پیشِ تیغش سر بنہ | ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ

اور مغرور سخن مشو کہ توحیدِ خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن، یعنی ؎

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برای دوست دارد

حضرات! مین اس قابل نہین کہ علوم و معارف کے میدان مین قدم رکھون، اس میدان کے مرد تو یہان بہت موجود ہین، مجھے اجازت دیجیے کہ صرف آپ کے ادارہ کے نام کی کسی قدر تشریح کردون، اور اگر خدا توفیق دے تو معرفت کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالدون، اوسی سے اسلام کی حقیقت بھی واضح ہوجائیگی، کیونکہ معرفت کے لئے محبت لازم ہے، اور محبت ہی اسلام ہی، لغت مین "گردن نہادن بطاعت" اس کا ترجمہ ہے، شریعت اور طریقت نے اس کو محبت اور تحمل بار امانت سے تعبیر کیا ہے،

والذین آمنوا اشد حباً للّٰہ، (بقرہ ع ۲۰)

اور جو مومن ہین انکو صرف اللہ تعالی کے ساتھ نہایت قوی محبت ہی،

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم، (آل عمران ع ۴)

آپ فرمادیجیے کہ اگر تم خداے تعالی سے محبت رکھتے ہو، تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خداے تعالی تم سے محبت کرنے لگین گے، اور تمھارے گناہون کو معاف کردین گے، اور اللہ تعالی بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہین،

وفی الحدیث لن یومن احدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین،

اور حدیث مین ہے تم مین سے کوئی شخص اسوقت تک ہرگز ایمان نہین لاتا، جب تک اللہ اور ان کا رسول اس کو اس کی ذات اور اس کے مال اور اسکی اولاد اور تمام لوگون سے زیادہ محبوب نہ ہو،

اسی جذب محبت کا ایک اثر وہ ہے جس پر قرآن مین اس طرح اشارہ کیا گیا ہی،

ولما جاء موسی لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً و خر موسی صعقاً فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المؤمنین، (اعراف ع ۱۷)

اور جب موسی ہمارے وقت موعود پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بہت ہی لطف و عنایت کی باتین کین، تو عرض کیا، اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجیے، کہ مین آپ کو ایک نظر دیکھ لون، ارشاد ہوا مجھکو دنیا مین ہرگز نہین دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکوگے، پس ان کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی، تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑادیئے اور موسی بیہوش ہوکر گر پڑے، جب پھر افاقہ مین ہوئے تو عرض کیا، بیشک آپ کی ذات منزہ اور رفیع ہے، مین آپ کی جناب مین معذرت کرتا ہون، اور سب سے پہلے مین ایمان لانے والون مین ہون

دوسرے عنوان سے یون ارشاد ہوا ہے:-

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً (احزاب ع ۹)

ہم نے یہ امانت آسمانون زمین اور پہاڑون کے سامنے پیش کی تھی، سوانہون نے اسکی ذمہ داری سے انکار کردیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اسکو اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد ۔۔۔ کوہ در رقص آمد و چالاک شد

عشق جانِ طور آمد عاشقا ۔۔۔ طور مست و خرّ موسیٰ صاعقا

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید ۔۔۔ قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

درجاتِ معرفت | حضراتِ معرفت کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے، اپنے مبداء و منتہا اور غرض خلقت کو جانے، جو خود کو نہیں پہچانتا، اور برق و باد و جغرافیۂ بلاد اور بُعد و حجم آفتاب و ماہتاب و نظامِ سیارگان و احوالِ زمان و مکان سے واقف ہے، یقیناً وہ سراسر ناواقف ہے؛ کوئی عاقل اس شخص کو جو دنیا بھر سے خبردار ہو مگر اپنے گھر سے بے خبر ہو، باخبر یا ہوشیار نہیں کہہ سکتا، بلکہ اوس سے یوں خطاب کرے گا، ؎

تو کارِ زمین را نکو ساختی ۔۔۔ کہ با آسمان نیز پرداختی

اور یوں کہے گا ؎

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا ۔۔۔ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا ۔۔۔ زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

(اقبال)

اپنے انوار کی دنیا میں سفر کرنے والے کو اپنے اندر چھ بڑے بڑے سمندر نظر آئیں گے، بحرِ شہوات، بحرِ علم، بحرِ ذکر، بحرِ فکر، بحرِ معرفت، بحرِ توحید، ہر سمندر میں بڑی زبردست موجیں ہیں، ہر ایک کے اندر عجیب و غریب جواہرات ہیں، ہر ایک کو طے کرنے کے لئے مختلف جہاز ہیں، ہر جہاز کے ملاح الگ ہیں، بحرِ شہوات لطیفۂ نفس کی تہذیب سے سلامتی کے ساتھ طے ہوتا ہے، اگر لطیفۂ نفس کو مہذب نہ بنایا جائے، تو اس سمندر کی ایک موج سارے عالم کو اپنے اندر لپیٹ لیتی اور دنیا میں فساد برپا کر دیتی ہے،

یہ جو آج کل ہر طرف فساد برپا ہے، بحرِ شہوات ہی کی ایک موج کا تلاطم تو ہے، خواہ اوس کو جوع الارض سے تعبیر کر لو، یا تجارتی منڈی کی طلب کہہ لو، یا ڈکٹیٹری اور جمہوریت کی جنگ سمجھ لو، بحرِ علم لطیفۂ قلب کی نورانیت سے طے ہوتا ہے،

فانّھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصّدور ۔۔۔ کیونکہ وہ آنکھوں کو اندھا نہیں کرتی بلکہ دلوں کو اندھا کر دیتی ہے جو سینوں میں ہیں،

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ وانّما ھو نور یضعہ اللہ فی قلوب الرّجال (مالکؒ) ۔۔۔ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک نور ہے، جس کو خدا لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے،

بحرِ ذکر لطیفۂ روح سے وابستہ ہے، بحرِ فکر لطیفۂ سر کے ذریعہ طے ہوتا ہے، بحرِ معرفت لطیفۂ خفی سے، بحرِ توحید لطیفۂ اخفیٰ سے متعلق ہے، کوئی سمندر شور ہے، کوئی شیریں ہے، مگر ایک دوسرے سے مل نہیں سکتا، ؎

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعنان ۔۔۔ درمیانِ شان برزخ لا یبغیان

ہر لطیفہ[1] کے مختلف انوار ہیں، ہر ایک کی جُدا بہار ہے، اگر لطیفۂ قلب ہی کی بہار نظر آ جائے تو دنیا کے باغ و بہار کو بھول جائے، ؎

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت است ۔۔۔ چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست

سوے جہان بھی آنکھ اٹھاتا ہے یار دل ۔۔۔ گردن جھکائے دیکھ رہا ہوں بہارِ دل

---

[1] ہر لطیفہ کی جدا جدا سیر بعضوں کو بالتفصیل حاصل ہوتی ہے، بعض کو بالاجمال، اور دونوں راستے حصولِ معرفت کے لئے کافی ہیں، اس لئے تفصیل کے درپے نہ ہونا چاہئے، اگر بلا طلب حاصل ہو جائے تو نعمت ہے، کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست،

دوسرے لطائف کی بہار کا تو کیا کہنا؟ جس نے ان بہارون کو دیکھا ہے، وہ یون کہتا ہے،

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ توز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بچمن درآ

خود کو پہچاننے کے بعد دوسرا قدم یہ ہے کہ خدا کو پہچانے، پہلے قدم کے بعد یہ دوسرا قدم خود ہی اُٹھ جائے گا،

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اوس نے اپنے رب کو پہچانا،

سَنُرِیْھِمْ آیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِی ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیان ان کے گرد

اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقّ ونواح میں بھی دکھا دین گے، اور خود ان

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ کی ذات مین بھی یہان تک کہ ان پر ظاہر

شَیْءٍ شَھِیْد، ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے، کیا آپ کے

(فصلت ع ۶) رب کی یہ بات کافی نہین، کہ وہ ہر چیز کا

(حم سجدہ ع ۶)

وَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ہر چیز میں اس کے لئے نشانی ہے جو دلالت کرتی ہی کہ وہ ایک ہی

اَتَحْسَبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْر وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَر

کیا تو گمان کرتا ہی کہ تو چھوٹا جرم ہی درآنحالیکہ عالم اکبر خود تجھ مین شامل ہی

اس کے بعد تیسرا قدم یہ ہے کہ خدا کے سوا سب کو بھول جائے، کیونکہ معرفت کے لئے محبت لازم ہے، مَنْ عَرَفَہٗ فَقَدْ اَحَبَّہٗ اور محبت کی حقیقت ہی یہ ہے، ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن دل بدستِ دگری دادن و حیران بودن

رب زدنی فیک تحیرا۔

مصلحت نیست مرا سیری ازان آبِ حیات زادنی اللہ بہ کل زمان عطشا

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ایک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

چوتھا قدم یہ ہے، کہ اپنے بھولنے کو بھی بھول جائے، سونے والے کو اگر اتنی خبر ہے کہ مین سو رہا ہون تو وہ بیدار ہے، کمالِ فنا یہ ہی کہ اپنی فنا پر بھی نظر نہ رہے، سرتاپا مستغرق مشاہدۂ محبوب ہو جائے، ؎

مست و لایعقل نہ از جام ہُو، اے ز ہو قانع شدہ بر نام ہُو،

تو درو گم شو وصال این ست و بس گم شدن گم کن کمال این ست و بس

پانچوان قدم یہ ہی کہ موجودات پر نظرِ دا ایسین ڈالے، اور سب مین صفات و افعالِ حق کی تجلی کا مشاہدہ کرے، ؎

حسنِ خویش از روی خوبان آشکارا کردہٗ پس بچشمِ عاشقان خود را تماشا کردہٗ

یعنی مخلوقات مراۃ جمالِ حق بن جائین، اسی کو ایک حدیث مین یون بیان کیا گیا ہی،

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ النِّسَاءُ وَ[1] مجھے تمھاری دنیا مین سے عورتین اور خوشبو محبوب بنائی گئی ہین اور بنائی گئی ہی

الطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز مین،

الصَّلٰوۃ،

اور قرآن مین یون ارشاد ہوا ہے :-

رِجَالٌ لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ ایسے لوگ ہین جنکو اللہ کی یاد سے اور نماز

عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت

اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ مین ڈالتی ہی اور نہ فروخت، وہ ایسے دن

فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ، سے ڈرتے رہتے ہین جسمین بہت سے دل اور

[illegible]

[1] فان النساء والطیب اکبر مرآۃ لجمال الحق وکمالہ فی ھذہ الدنیا کما عرفہ وذکرہ من ذاقہ ۱۲

اس مقام پر عارف اور غیر عارف بظاہر یکسان نظر آتے ہین، دونون دنیا کے مشاغل مین مبتلا اور ضروریاتِ زندگی مین مشغول ہوتے ہین، مگر دونون کے باطن مین زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے،

سارت مشرقۃ وسرت مغربًا شتان بین مشرّق ومغرب

وہ مشرق جانب چلی اور مین مغرب جانب چلا، اور مشرق و مغرب مین کتنا فرق ہے

غنی لہم حادی الاحبۃ فی الدجیٰ فاطار منھم انفسا و قلوبا،

جب ان کے سامنے دوستون کے حدی خوان نے رات کی تاریکی مین ترانہ چھیڑا تو انہین کتنونکے دلون کو اڑا دیا

فارا د مقطوع الجناح بثینۃ وَھُو ارادوا الواحد المطلوبا

پس کٹے بازو والے نے بثینہ کی خواہش کی اور ان لوگون نے بھی ایک ہی کو جو مطلوب ہے چاہا

تو اے افسردہ دل زاہدیکے در بزمِ رندان شو کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

من حالِ دل ای زاہد با خلق نخواہم گفت کاین نغمہ اگر گویم با چنگ و رباب اولی

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

اس کے بعد اور بہت سے درجات ہین، جن کا نہ لحاظ ہو سکتا ہے، نہ بیان مین آسکتے ہین،

اے برادر بے نہایت درگہے است ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

حضرات عارفین کے کلام مین جو معرفت کی حقیقت مختلف عنوانات سے مذکور ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ہر شخص نے کسی ایک ہی درجہ کو بیان کیا ہے، اور ہر درجہ کا حکم دوسرے سے ممتاز ہے مگر حقیقت مین کچھ اختلاف نہین،

معرفت ہی مقصد بنا، عالم ہے

اب سمجھنا چاہیے کہ معرفت ہی خلقتِ انسان کی غرض و غایت ہے،

چنانچہ ارشاد ہے :-

وَمَا خلقتُ الجنّ والانس الّا لیَعبُدُون، اور مین نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہو کہ وہ میری عبادت کرین،

جس کی تفسیر مین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہین، لیعرفون کیونکہ عبادت و عبدیت بدون معرفت کے کامل نہین ہو سکتی، اور عبادتِ کاملہ ہی مطلوب ہے ناقصہ مطلوب نہین، ایک حدیث بھی اس کے متعلق لوگون کی زبانون پر ہے، جو محدثین کے نزدیک بے اصل ہے، مگر مضمون صحیح ہے

کنت کنزاً مخفیاً فخلقت الخلق لاعرف، مین ایک مخفی خزانہ تھا پس مین نے خلق پیدا کی تا کہ پہچانا جاؤن،

معرفت کا اصلِ غایتِ خلق ہونا مسلم امر ہے، جس سے کسی کو مجالِ انکار نہین، اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ دولت کتابون اور کاغذون کے دفترون سے میسر نہین ہوتی، بلکہ اہلِ معرفت کی نظر سے حاصل ہوتی ہے، ورنہ بعثتِ انبیا و رسل کی ضرورت ہی کیا تھی، ہر شخص کے گھر مین آسمان سے صحیفون اور کتابون کا نازل ہو جانا کافی ہو جاتا، جن کو پڑھ کر اپنی عقل سے خدا کو پہچان لیا کرتے، مگر ے

نہ کتابون سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگون کی نظر سے پیدا

(اکبر حسین مرحوم)

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہین ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہین

(اقبال مرحوم)

آزمودم عقلِ دور اندیش را، بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

قال را بگذار و مردِ حال شو، پیشِ مردے کاملے پامال شو،

(مولانا رومی)

حضرات! معرفت ہی سے ہر اچھی شے کا حُسن ہے اور اسی کے فقدان سے ہر قبیح قبیح ہے،

معرفت کا نشان

معرفت ایک آگ ہے اور ایمان نور ہے، معرفت وجد ہے، ایمان عطا ہے، مومن و عارف مین فرق یہ ہے، کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اور عارف اللہ سے دیکھتا ہے،

فکنت سمعہ الذی یسمع بہ — مین اس کی قوتِ سماعت ہون جس سے وہ

وبصرہ الذی یبصر بہ — سنتا ہے اور اسکی نگاہ ہون جس سے وہ دیکھتا ہے

مومن کا دل ذکر اللہ سے مطمئن ہوجاتا ہے، اور عارف اللہ کے سوا کسی سے مطمئن نہین ہوتا، اس سے زیادہ کچھ کہنے کی مجال نہین، زبان ذوقی امور کے بیان سے قاصر ہے، ع

ذوقِ این می نشناسی بخدا تا نچشی

ربّ زدنی فیک تحیرا،

ایک غلط خیال کی تردید

یہان مجھے مستشرقین یورپ کی ایک غلطی پر تنبیہ کرنا ہے، جس مین آجکل بہت سے نوجوان مسلمان بھی ان کے ہم خیال نظر آتے ہین، اون کا خیال یہ ہے کہ اسلامی معرفت یا بلفظ دیگر اسلامی تصوف مین بعض چیزین فلسفۂ افلاطون کے اثر سے آئی ہین، کچھ ویدانت سے لیگئی ہین، بعض امور مین بدھ مت سے استفادہ کیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، جس کی کچھ بھی اصل نہین، ان حضرات کو معرفت اور تصوفِ اسلامی کی حقیقت معلوم نہین، اس لئے جو جی مین آتا ہے، کہدیتے ہین، تصوفِ اسلامی کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے متقدمین صوفیہ حضرت جنید بن محمد، ابو سعید خراز، عمر بن عثمان مکی، شیخ ابو الحسین نوری، غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر گیلانی، شیخ ابو القاسم قشیری، شیخ ابو نصر سراج، شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف و اقوال کا مطالعہ کرنا چاہئے، ان سب حضرات نے اور بالخصوص شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ مین تصریح فرمادی ہے،

حقیقتِ تصوف

تصوف کی حقیقت کتاب و سنت کی معرفت اور ظاہر و باطن کا اُن سے رنگین ہونا اور ورع و تقویٰ مین کمال حاصل ہونا ہے، جب اوس کی بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول پر قائم ہے، اور کتاب اللہ و سنتِ رسول مین جو کچھ بھی ہے، وحیِ الٰہی ہے، تو اس کو افلاطون سے کیا تعلق؟ اور ویدانت یا بدھ مت سے کیا واسطہ؟

کیفیات و کشفیات مقصودِ تصوف نہین

رہے بعض احوال و کشفیات، سو وہ نہ تصوف کا جزو ہین، نہ اس طریق مین مطلوب، یہ تو ہر شخص کو اسکی فطری استعداد کے موافق مجاہدات و ریاضات و کثرتِ ذکر و فکر و غلبۂ محبت و دوامِ مراقبہ سے حاصل ہوتے ہین، پھر ان مین بھی جو حالت و کیفیت موافقِ سنت ہو وہ افضل ہے، جو سنت کے موافق نہ ہو مستحسن نہین، گو صاحبِ حال پر ملامت بھی نہین، کہ وہ اس مین معذور ہے، اسی طرح جو کشف و الہام نصوصِ شریعت کے خلاف نہ ہو مقبول ہے، ورنہ قابلِ رد ہے، جن لوگون نے کیفیات و کشفیات ہی کو تصوف سمجھ لیا ہے، انھون نے بعض صوفیہ کی کیفیاتِ فنا و استغراق کو ویدانت یا بدھ مت سے ملتا ہوا دیکھا یا بعض صوفیہ کے کشفیات کو افلاطون کے کشف کے موافق پایا، وہ اس موافقت یا مطابقت سے یہ سمجھنے لگے، کہ تصوفِ اسلامی کی یہ بات ویدانت سے ماخوذ ہے، اور فلان مسئلہ فلسفۂ افلاطون کے اثر سے تصوف مین داخل ہوا ہے، حالانکہ وہ محض مجاہدہ و ریاضت اور غلبۂ عشق اور خلوت کا اثر تھا، موافقت و مطابقت سے اخذ و استفادہ پر استدلال کرنا جہلِ محض ہے،

موافقت اور شے ہے استفادہ اور ہے

جب کوئی شخص اللہ کی طلب مین مجاہدہ و ریاضت اور تکثیرِ ذکر و مراقبہ و خلوت اختیار کریگا، ہر دم اسی کے دھیان مین رہے گا، اس پر کیفیتِ فنا اور وحدت الوجود کا غلبہ ضرور ہوگا، بلکہ محبوبِ مجازی کی محبت بھی جب زیادہ غالب ہوگئی اس مین بھی یہ کیفیت طاری ہوگی، کیونکہ یہ کیفیات غلبۂ محبت کے لوازم مین سے ہین، چنانچہ مجنون کو

محبت لیلیٰ مین درجۂ فنا حاصل تھا، اس سے آگے بڑھا، تو وحدۃ الوجود کی کیفیت طاری ہو گئی، کہ جب کوئی پوچھتا لیلیٰ کہان ہے، کہتا مین ہی تو لیلیٰ ہون، (کتاب اللمع صفحہ ۳۶۶) تو کیا کوئی اسکو بھی دیدانت یا بدھ مت کا اثر بتلائے گا، ہرگز نہین، کیونکہ مجنون کا ان دونون سے نا واقف ہونا معلوم ہے، بلکہ محض غلبۂ عشق و محبت کا اثر تھا، اسی طرح خلوت و ریاضات کا عادۃً یہ اثر ہے، کہ اس سے کشف ہونے لگتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اہل کشف کے بعض انکشافات مین توافق ہوسکتا ہے، اب اگر صوفیہ کے بعض مکشوفات افلاطون کے کسی انکشاف سے موافق ہو گئے، کہ انھون نے بھی عالم ارواح و عالم مثال کو اسکی طرح اپنے کشف سے معلوم کر لیا، تو اس کو فلسفۂ افلاطون کا اثر کہنا غلط ہے، بلکہ خلوت و ریاضت کا اثر کہنا چاہیے، جس شخص کو فلسفۂ افلاطون کی ہوا بھی نہ لگی ہو وہ آج کسی شیخ عارف کے پاس رہ کر خلوت و ریاضات مین مشغول ہو کر دیکھ لے، اوس کو بھی ارواح و عالم مثال کا انکشاف ہونے لگے گا، بشرطیکہ طبیعت کو کشف سے مناسبت ہو"

حقیقت تصوف حدیث کی روشنی مین

تصوف یا معرفت اسلامی کی حقیقت وہ ہے، جس کو حدیث جبرئیل مین "احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اسکی تفسیر اس طرح کی گئی ہے،

الاحسان ان تعبد الله کانك	احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ
تراه فان لم تکن تراه فانه	کی عبادت کرو گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو،
یراك،	اگر تم انکو نہین دیکھ رہے تو وہ تمکو دیکھ رہے ہین،

خلاصہ یہ کہ احسان ظاہر و باطن یعنی اسلام و ایمان دونون کی حقیقت اور روح ہے، اسی کی تفصیل کا نام معرفت یا تصوف ہے، جو بدون کتاب اللہ و سنت رسول کی متابعت کاملہ کے حاصل نہین ہوسکتا،

حقیقت تصوف قرآن مین

قرآن کریم مین حق تعالیٰ نے صادقین و صادقات و خاشعین و خاشعات

و قانتین و قانتات، مومنین و مخلصین و محسنین و خائفین و وجلین و راجین و عابدین و سائحین و صابرین و متوکلین و مخبتین و اولیاء، و متقین و ابرار و مقربین و شاہدین و مطمئنین و سابقین و مسارعین فی الخیرات وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے، اور حدیث مین ہی،

ان من امتی مکلمون محدثون	[illegible]	میری امت مین سے کچھ ایسے لوگ ہون گے جن سے
وان عمر منھم،		منادی غیب باتین کریگا اور بے شبہہ عمر انہی مین ہین

ایک حدیث مین ہے،

رب اشعث اغبر ذی طمرین		بہت سے پریشان مو غبار آلود دو چادرون والے
لو اقسم علی الله لابره وان	[illegible]	ایسے ہوتے ہین، کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالین
البراء منھم،		تو اللہ ان کی قسم پوری ہی کرین اور براء انہی مین ہین

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بین	کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم
مبین حقیر گدایان عشق راکین قوم	شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

ایک حدیث مین ہے،

ان فی امتی من اذا قرأ اریت انه		میری اُمت مین ایسے لوگ ہین، کہ جب قرآن
یخشی الله وان طلق بن حبیب	[illegible]	پڑھتے ہین تو مجھے دکھایا جاتا ہے کہ ان پر خدا
منھم،		کی خشیت طاری ہے، اور بے شبہہ طلق بن حبیب انہی مین ہین

ایک حدیث مین ہے،

ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدهم	میری امت مین میری امت کیساتھ سب سے
فی امر الله عمر واصدقهم حیاءً	زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہین، اور ان میں اللہ
عثمان واقضاهم علی	تعالیٰ کے معاملہ مین سب سے زیادہ سخت عمر ہین

لہجۃ ابوذر، اور حیا مین سب سے کامل عثمان ہین، اور سب سے
زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہین، اور سب سے
زیادہ راست گفتار ابوذر ہین،

بس انہی کو ہم عارف یا صوفی کہتے ہین، جو ان اعمال و اخلاق و مقامات سے متصف ہون، تبلائیے اس مین کونسی بات ویدانت یا بدھ مت یا فلسفۂ افلاطون یا نطشے اور فشتے کے نظریات سے ماخوذ ہے، اور یہان سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑے عارف اور صوفی حضرات صحابہ تھے، کہ یقیناً اعمال و اخلاق و مقاماتِ مذکورہ مین وہ دوسرون سے بڑھے ہوئے تھے، بالخصوص مقامِ صدیقیت مین، جو مقاماتِ عارفین مین سب سے اعلیٰ مقام ہے، صحابہ کے برابر کوئی بھی نہین، پس مستشرقین یورپ کا یہ کہنا کہ تصوفِ اسلام کی نبیاد دوسری صدی ہجری کے آخر مین قائم ہوئی، اور اس کا پہلا معلم حسین بن منصور حلاج ہے، سراسر تصوف اسلامی سے بے خبری کا اقرار ہے، حسین بن منصور حلاج نہ بانی تصوف ہین نہ صوفیہ کے مقتدا ہین، بلکہ وہ دوسرے درجہ کے مشائخ مین ہین جن کے حال کو تسلیم کیا جاتا اور ان کا احترام کیا جاتا ہی مگر اقتدا نہین کیجاتی، چنانچہ شیخ ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ کے باب الکرامات مین اسکی تصریح کردی ہے،

| معرفت سے غفلت جائز نہین |

خاتمۂ کلام پر پہلی بات کا پھر اعادہ کرتا ہون کہ معرفت خلقتِ انسان کی اصلی غرض و غایت ہی اس سے غفلت جائز نہین، علم محض کتابون اور تقریرون کا نام نہین بلکہ وہ ایک نور ہے، جو قلب مین ڈالا جاتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین لیس العلم بکثرۃ الروایۃ وانما العلم نور یضعہ اللہ فی قلوب الرجال پس ہم کو اپنی تمامتر تحقیقات و علوم مین اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان مین معرفتِ حق کا کوئی نشان و اثر ہے یا نہین ؟

| بدون معرفت کے علم علم نہین |

اگر معرفت کا ایک ذرۂ حقیقت بھی موجود ہے، تو وہ علم علم ہے، ورنہ شیخ سعدی کے اس قول کا مصداق ہی، ؎

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است — جز حرفِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے نقشِ دوئی را ز لوحِ دل — علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

وَآخر دعوٰنا ان الحمدُ للہ ربِّ العالمین وصلّی اللہ علی سیدنا النبی محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین،

نوٹ :- اس مضمون مین کلام اللہ کی آیات و احادیث اور عربی اشعار کا ترجمہ فاضل مضمون نگار نے نہین کیا تھا، آیاتِ قرآنی کا ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہٗ کے ترجمۂ کلام اللہ سے دیا گیا ہے، اور احادیث و عربی اشعار کے تراجم کی ذمہ داری ادارہ پر ہے،

اسلامی قانون فوجداری

مولٰنا سلامت خان المعروف بہ خداقت خان کی کتاب الاختیار کا ترجمہ جس مین تمام تعزیرات و جرائم کے متعلق پندرہ ابواب مین اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابون کے حوالہ سے لکھی گئی ہین، قانون پیشہ حضرات کیلئے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے، ضخامت ۴۵۲ صفحے، قیمت ہے ۸؍

چینی مسلمان

ایک دردمند صاحبِ قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانون کے مذہبی اخلاقی تمدنی، سیاسی اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان مین لکھے ہین ضخامت ۲۴۷ صفحے، قیمت :- ۸؍

"مینیجر"

جلال الدین محمد القزوینی

از

جناب محمد نصر اللہ احسان الٰہی صاحب ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی

جس طرح کبھی دُرِ شہوار صدف ریزون کے نیچے دب کر رہجاتا ہے، یا پھول کانٹوں اور پتون کے جھنڈ سے باہر سر نہین نکال سکتا، اسی طرح ابو المعالی جلال الدین محمد القزوینی[۱] کی زندگی کے درخشان حالات تاریخی حوادث کی راکھ کے تلے دب کر بجھ گئے، صرف ان کا نام ہی نام باقی رہ گیا ہے، ان کی مستند اور شہرۂ آفاق تصنیف "تلخیص المفتاح" محتاجِ تعارف نہین، F. Krenkow نے اپنے مقالہ "Sakkaki"[۲] مین اور A. Shaade[۳] نے اپنے مقالہ بعنوان "Balagha" مین قزوینی اور تلخیص المفتاح کو جن الفاظ مین یاد کیا ہے، وہ اس امر کے طالب ہین، کہ قزوینی اور ان کی تصانیف کا مستقل ذکر کیا جائے، تعجب ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تک مین ان کے حالات بہت تشنہ ہین،

یہان یہ اعتراف کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ماخذ کی کمی نے اس مقالہ کے مواد پر یقیناً اثر کیا ہے،

۱؎ پورا نام یہ ہے، محمد بن عبد الرحمٰن بن عمر بن احمد بن عبد الکریم بن الحسن بن علی بن ابراہیم بن علی بن احمد بن دلف ابن ابی دلف العجلی القزوینی جلال الدین ابو المعالی بن سعد الدین بن ابی القاسم بن امام الدین، مگر کشف الظنون مین کہین جلال الدین محمود درج ہے (مثلاً جلد ۲ ص ۴۰۲) اور کہین جلال الدین محمد لکھا ہے، (مثلاً جلد ۶ ص ۱۹)

۲؎ E.I. جلد ۴ ص ۳ ۳؎ E.I. جلد ۲ ص ۶۱۲،

مگر اسکی اہمیت کو کسی طرح کمزور نہین کیا،

عراق کے مردم خیز خطۂ موصل نے یون تو بہت سے لعل و گہر اگلے، مگر ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ء) مین ایک ایسا گوہر پیدا کیا، جو دنیائے بلاغت مین آفتاب ہو کر چمکا، اور اس میدان کے تمام مصنفین کی شہرت پر گہن لگ گیا، اور جس وقت اس نے سیاسی اور معاشرتی دائرے مین قدم رکھا تو اپنے علمی جوہر کے زور پر ایسا مشہور ہوا کہ عراق سے لیکر شام و مصر و روم تک اس کا چرچا ہونے لگا،

قزوینی کا نسب ابو دُلف العجلی[۴] سے ملتا ہو جو نہ صرف ایک مشہور شاعر تھے، بلکہ کرج کے والی بھی تھے، عدالت و قضا کا عہدہ پشتون سے اس خاندان مین چلا آتا تھا، اور علم و ادب کا مطالعہ مشغلۂ زندگی تھا، جلال الدین کے والد نے ان کو تعلیم سے آراستہ اور فقہ اور فن قضا کے اسرار و رموز سے پیراستہ کیا، فصاحت و بلاغت اور ادب و انشا کے ساتھ خطاطی کی تعلیم بھی دی، کسی شخص مین حسنِ تقریر اور حسنِ تحریر کا اجتماع نادر خصوصیات سے ہے، جلال الدین ہونہار تھے جلد کامل ہو گئے،

جلال الدین صغر سنی ہی مین باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے، مگر قسمت دیکھئے کہ ابھی بیسوین سال مین قدم رکھا تھا، کہ رومی علاقہ مین ایک مقام کے عہدۂ قضا پر فائز ہو گئے، اسی اثنا مین ان کے بھائی امام الدین[۵] دمشق چلے گئے، وہان ان کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی، اس لئے قزوینی بھی وہین چلے گئے اور وہان کے علماء سے استفادہ کرتے رہے، امام الدین پہلے قاضی پھر قاضی القضاۃ ہو گئے، اور جلال الدین ان کی نیابت کرتے رہے، کچھ مدت بعد ان کے بھائی نے بھی آنکھین پھیر لین، اور نجم الدین ابن صصری[۶] ان کی جگہ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، جلال الدین ان کے بھی نائب رہے، مگر طبیعتو

۴؎ ۲۲۶ھ (۸۴۰ء) مین فوت ہوئے، وفیات الاعیان مین ۲۲۵ھ درج ہے (ملاحظہ ہو جلد ۱ ص ۲۵ ص ۴۲۳)

۵؎ ۷۰۲ھ مین فوت ہوئے ۶؎ ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) مین اچانک فوت ہو گئے، (دائرۃ المعارف بیروت ۱۸۷۶ء جلد ۱ صفحہ ۵۵۵)

کے اخلاف نے ان کو زیادہ دیر اکٹھا نہ رہنے دیا، اور ۷۰۵ھ (۱۳۰۵ء) مین جلال الدین کو عہدۂ نیابت سے مستعفی ہونا پڑا،

جلال الدین کو عربی فارسی اور ترکی پر عبور حاصل تھا، ان کی زبان مین حلاوت، بیان مین چاشنی اور قلم مین زور تھا، استدلال نہایت اچھا تھا، ایسی نادر ہستیان کیونکر بے کار رہ سکتی تھین، چنانچہ اسی سال مسجد اموی کے خطیب چنے گئے، کئی سال تک اس خدمت پر رہے، اور اس خوبی سے اسکو انجام دیا، کہ آج تک "خطیب دمشق" کے نام سے یاد کئے جاتے ہین،

یہ کہنا کہ جلال الدین اپنے بھائی کی وفات پر دمشق کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، تاریخ سے ثابت نہین،[1]

۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) مین شاہ مصر سلطان الملک الناصر محمد[2] نے جلال الدین کو بلوایا، اتفاق یہ ہوا، کہ جمعہ کی صبح ان کا قافلہ قاہرہ مین وارد ہوا، اسی دن باریابی بھی ہوگئی، حکم ملا کہ شاہی قلعہ مین نماز جمعہ کی امامت کرو، جلال الدین نے اس حکم کی تعمیل کی، اور ایسا بلیغ خطبہ دیا کہ مصلی مسحور ہوگئے، فارغ ہونے پر اٹھے اور شاہ کے ہاتھ چومے اور معذرت چاہی، شاہ نے کمال شفقت سے راہ کی تکلیفات اور سفر کی تکان کا حال پوچھا، اور یہ معلوم کرکے کہ جلال الدین تیس ہزار کے مقروض ہین، فی الفور یہ رقم دیئے جانے کا حکم دیا، (وہ شام کی عدالت پر مامور کردیا،

۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) مین جب ابن جماعۃ[3] قاضی مصر آنکھون سے معذور ہوگئے، تو سلطان نے مصر کی عدالتون کا کام جلال الدین کے سپرد کیا، انھون نے بڑی دیانت اور صیانت سے

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبری اور فہرست کتب لائبریری بانکی پور نمبر ۲۱۵۳ مین ہے، لیکن یہ صحیح نہین ہے،
[2] ۷۰۹ھ (۱۳۰۹ء) سے لیکر ۷۴۱ھ (۱۳۴۱ء) تک حکومت کی،
[3] ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) مین وفات پائی، بدرالدین ابن جماعہ،

یہ خدمت انجام دی، اوقاف کا مال اپنے سامنے فقیرون اور محتاجون مین تقسیم کراتے، اور سادات کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اپنی دیانت اور حسن اخلاق سے بہت جلد خاص و عام مین مقبول ہو گئے، سلطان کے یہان اتنی قدر و منزلت بڑھی کہ جب جاتے فوراً بارگاہ مین رسائی ہو جاتی، اور ان کی سفارش کبھی رد نہ ہوتی، سلطان کو ان سے بہت انس ہو گیا تھا چنانچہ جب حج کو گیا تو ان کو بھی ہمراہ لے گیا،

گیارہ سال اس عروج و اقبال کی زندگی بسر کرنے کے بعد ۷۳۸ھ مین ان پر عتاب سلطانی نازل ہوا، اور وہ معطل کر دیئے گئے، مگر ان کی پرانی خدمات کو بالکل نظر انداز نہین کیا گیا، بلکہ شام کے قاضی بنا دیئے گئے،[1]

ان کے اس زوال کا سبب ان کے صاحبزادے تھے جن کی زندگی عیش پرستی مین غرق تھی خصوصاً عبداللہ کی رشوت ستانی شراب نوشی اور قمار بازی نے ان کو بہت بدنام کیا، اس کی وجہ سے جلال الدین کی یہ حالت ہو گئی تھی، کہ ادھر انھون نے والیٔ نہر کے نام ایک حکم صادر کیا کہ فلان شخص کو گرفتار کر لو، ادھر عبداللہ نے رشوت لیکر منسوخی کا پروانہ بھی جاری کرادیا، عبداللہ نے دریاے نیل کے کنارے بیس ہزار دینار صرف کرکے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا،[2] اس پر اعتراضات شروع ہوگئے، سلطان کے کان بھرے جانے لگے، جب سلطان کو بہیم شکایات پہونچین تو اس نے لطف و عنایت سے ہاتھ کھینچ لیا، جلال الدین کو ایک دو بار بلوا کر فہمایش بھی کی، پھر مکان ضبط کر لیا، مگر عبداللہ کی زندگی مین کوئی فرق نہ آیا، اور جلال الدین کی بنائی ہوئی عزت اور وقار کو خاک مین ملا دیا،

جلال الدین پر اس ادبار کا بہت اثر ہوا، ان کی صحت بگڑ گئی، اور فالج مین مبتلا ہو گئے، اور ایک سال کے اندر ہی، ۲ر جمادی الاول ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۹ء کو انھون نے دنیا کو الوداع کہا

---

[1] بعض مورخ بیان کرتے ہین کہ انھین دمشق واپس بھیجدیا گیا تھا (ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ اور فہرست کتب لائبریری بانکی پور نمبر ۲۱۵۳
[2] ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں ... ادرہم درج کئے ہین،

اور دمشق کی سرزمین مین دفن ہوئے[1] ان کی شبیہ کتابون مین ہی، مگر بہت دھندلی،

جلال الدین بڑے نرم خو، حلیم الطبع اور فیاض تھے، سائل ان کے دروازے سے کبھی ناکام نہین لوٹا، ان کے بیٹون مین سے عبد اللہ کا ذکر بہت ملتا ہے ایک بیٹے عبد اللطیف بھی تھے، جو بلاد روم کے قاضی تھے،[2]

عربی اور فارسی مین شعر بھی کہہ لیتے تھے، مگر ان کا کلام زمانہ کے تغافل اور ناقدرشناسی کی نذر ہو گیا، البتہ روضۃ الجنات مین ان کی ایک رباعی موجود ہے،

در جامۂ صوف بستہ زنار چہ سود؟ — در صومعہ رفتہ دل بہ بازار چہ سود؟

زآزار کسان راحتِ خود می طلبی — یک راحت و صد ہزار آزار چہ سود؟

تلخیص المفتاح مین ان کا ایک شعر حسن التعلیل کے شواہد مین درج ہے:-

لولم تکن نیۃ الجوزاء خدمتہ — لما رأیت علیہا عقد منتطق[3]

یہ اس فارسی شعر کا ترجمہ ہی:-

گر نبودے عزم جوزا خدمتش — کس ندیدے بر میانِ او کمر[4]

ان کی صرف تین تصانیف کا پتہ چلتا ہے، :- تلخیصُ المفتاح جو کئی بار طبع ہو چکی ہے الایضاح ان دونون پر ہم مفصل بحث کرین گے اور السّن رُالمرجانی من شعر الارجانی جسے بعض نے السود المرجانی...... اور بعض نے اللآ دالمرجانی.... کے نام سے یاد کیا ہی، یہ قاضی ناصح الدین ابوبکر احمد

[1] روضات الجنات مین ہے کہ قزوین مین فوت ہوئے [2] ملاحظہ ہو کشف الظنون جلد ۵ ص ۵۸۳ نیز الشقائق جلد ا ص ۱۱۳ [3] بعض نسخون مین دوسرا مصرع یون درج ہے، ؎

ع ودما اتت وعلیہا عقد منتطق

[4] مجمع الصنائع، نظام الدین دہلوی، دہلی ۱۲۶۱ھ، ص ۴۹،

ارجانی[1] کے دیوان کا انتخاب ہی، انتخاب یقیناً لاجواب ہوگا، مگر افسوس کہ یہ کتاب اب نایاب ہے، قاضی ارجانی کا دیوان موجود ہے[2] جلال الدین ان کے کلام کے بہت دلدادہ تھے، اکثر ان کے شعر گنگنایا کرتے تھے، اور لطف اٹھایا کرتے تھے، مگر حیرت ہی کہ انھون نے تلخیص المفتاح مین ان کے کل چار اشعار بطور شواہد پیش کئے ہین[3]

۱- تلخیصُ المفتاح (فی المعانی والبیان) یہ سکاکی[4] کی مشہور و معروف کتاب مفتاح العلوم کی تیسری قسم کا خلاصہ ہی، اسے خلاصہ کہہ لیجئے یا شرح، درحقیقت اس میں قزوینی نے مفتاح العلوم کو صاف کیا ہے، اور سکاکی کی ناہموار بحث مین توازن اور تناسب قائم کیا ہے، مضمون کا ڈھانچہ وہی رہنے دیا ہی، مگر جہان جہان انھین زوائد نظر آئے، انھین نکال دیا ہے، اور اجمال و ابہام کی تشریح و توضیح کر دی ہی، یہان یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا، کہ تلخیص المفتاح کے مقابلہ مین مفتاح العلوم کی شہرت تھوڑے ہی مدت مین ماند پڑ گئی، یہی وجہ ہے کہ مفتاح العلوم کے قلمی نسخے بہت کم ہین، تلخیص المفتاح کی دوسری خوبی اس کا اسلوب بیان ہی، عبارت نہایت سلیس اور فصیح ہے، اس کے برعکس مفتاح العلوم کی زبان مشکل، عبارت مبہم اور جملے طویل ہین، تلخیص المفتاح بہت مقبول ہوئی، اس کے کئی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریون مین محفوظ ہین، یہ کتاب اب تک مختلف درسگاہون مین بطور نصاب پڑھائی جاتی ہے، یہ غالباً پہلی مرتبہ ۱۸۱۳ء مین شرح کی صورت مین کلکتہ کے چھاپہ خانہ سے شائع ہوئی، اس کے بعد ۱۸۱۵ء مین بھی چھپی، G. C. Freytag نے

[1] ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں بمقام تستر فوت ہوئے، (وفیات الاعیان جلد ا ص ۴۷؛ دائرۃ المعارف ۱۸۸۶ء جلد ۳ ص ۵۰، ۴۴ الخ [2] احمد بن عباس الازہری نے ان کے دیوان کو ترتیب دیکر بیروت سے ۱۳۰۷ھ میں شائع کیا [3] انکا شمار یون ہی، مختصر المعانی ۱۸۱۳ء صفحات ۲۰۲، ۴۳۲، ۴۳۵، ۴۴۴ [4] ۶۲۶ھ (۱۲۲۹ء) مین وفات پائی (ملاحظہ ہو E.I. جلد ۴ ص ۸۲۸) مفتاح العلوم قاہرہ میں ۱۳۱۷ھ مین چھپی پھر ۱۳۱۸ھ مین بھی چھپی،

تلخیص المفتاح کے تیسرے فن (علم البدیع و السرقات) کی تمام صنعتوں کا مختصر ذکر کیا ہے[1] اور یہی اشلہ درج کی ہیں، مگر اس کتاب کا حوالہ نہیں دیا، تلخیص المفتاح کا کچھ حصہ Mehren کی کتاب[2] میں بھی چھپا ہے، De Tassy[3] نے اپنے دیباچہ میں تلخیص المفتاح، مطول اور مختصر المعانی کا ذکر کیا ہے، مگر حدائق البلاغۃ پر زیادہ انحصار رکھا ہے، اور اپنی کتاب میں اسی کی مثالیں دی ہیں، یہ صرف اتفاق ہی ہے کہ حدائق البلاغۃ کی وساطت سے چند شواہد تلخیص المفتاح سے بھی آگئے، تلخیص المفتاح کی کئی شرحیں کی گئی ہیں، جن میں سے اکثر نایاب ہیں، تاریخی ترتیب سے ان کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے،

۱- الایضاح (فی علم البیان والبدیع والمعانی)[4] تلخیص المفتاح کی سب سے پہلی شرح غالباً قزوینی کی ہی شرح ہے، جو رمضان ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) سے پہلے کی تصنیف ہے، یہ تلخیص المفتاح کا تکملہ ہے، اور اس میں مفتاح العلوم جرجانی کی دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ کا وہ مواد بھی شامل ہے، جو تلخیص المفتاح میں سے چھوٹ گیا تھا، اور جس کے بغیر جلال الدین کے نزدیک علم البلاغۃ نامکمل رہ گیا تھا، ساتھ ساتھ تلخیص المفتاح کے مشکل نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے،

---

۱ De ornamentis orationis: G.C. Freytag: 1832 pp. 150, 180

۲ Rhetorik der Araber; A. F. Mehren: Copenhagen 1853 pp. 146

۳ Rhetorique et prosodie de l. orient Musulman -Garcin de Tassy: paris: 1873.

۴ Rhetorik der Araber; A. F. Mehren page 8.

۵ عبد القاہر جرجانی ۴۷۱ھ (۱۰۷۸ء) میں وفات پائی، دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، دلائل الاعجاز ۱۳۳۱ھ میں اور اسرار البلاغۃ ۱۹۵۴ء میں چھپی،

تفتازانی نے اپنی شرح میں الایضاح کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اس کے جو جو پھول انھیں پسند آئے انھیں اپنی کتاب کے لئے چن لیا، الایضاح ۱۳۱۷ھ میں مطبع بولاق میں چھپی، خود اس کتاب کی بھی شرحیں لکھی گئیں، مثلاً

ایضاح الایضاح جلال الدین محمد بن محمد الاقصرائی[1]، اس کے متعلق الشقائق میں سید شریف کی رائے درج ہے[2] اور حاجی خلیفہ نے بھی اسی رائے کو نقل کیا ہے[3] کہ یہ شرح کیا ہے، بھینسے کے گوشت پر لکھی ہے، یعنی تشریح میں نہایت بخل سے کام لیا ہے، صرف کہیں کہیں معمولی وضاحت کی گئی ہے، لطیفہ یہ ہے[4] کہ جو نسخہ سید شریف کے مطالعہ میں رہا اس کا متن سرخ رنگ میں تھا اور شرح سیاہ رنگ میں لکھی تھی، ایضاح الایضاح امیر قرمان کے واسطے لکھی گئی تھی، اور اس کے صلہ میں غالباً اقسرائی نے بہت انعام پایا، اس میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو قزوینی پر کئے گئے تھے، اس کے نسخے کئی لائبریریوں میں موجود ہیں[5]

ایک شرح علاء الدین علی بن عمر الاسود[6] نے لکھی، قطب الدین الازنیقی[7] نے اس شرح

---

۱ الشقائق میں اقسرائی درج ہے، (ملاحظہ ہو جلد ا ص ۱۲۰) وہ ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) کے لگ بھگ فوت ہوئے، فوائد البہیۃ میں درج ہے، کہ ۷۷۰ھ (۱۳۶۹ء) کے لگ بھگ وفات پائی (ص ۱۹۶) ۲ الشقائق جلد ا ص ۲۰۱ و ۲۰۲ ۳ حاجی خلیفہ جلد ا ص ۵۰۹ ۴ یہ لطیفہ صنعت الایہام پر مبنی ہے،

۵ دار الکتب المصریہ نمبر ۲ و ۵۹۹ھ و بانکی پور لائبریری نمبر ۲۱۹۷،

Escurial. Derenbourg, No. 258.

Bibliotheque nationale, De slane, No. 4385

۶ ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں فوت ہوئے، حاجی خلیفہ جلد ا ص ۵۰۹ ۷ ۸۲۱ھ (۱۴۱۸ء) میں فوت ہوئے، (الشقائق جلد ا ص ۳۰ و ص ۳۷)

کا ذکر کیا ہے،

صدر الدین حیدر بن محمد الخوافی الحصروی[۱] نے بھی الایضاح کی تشریح کی،

شمس الدین محمد بن محمد بن الجزری[۲] نے ایک حاشیہ الایضاح پر لکھا،

ایک شرح جو عماد الدین یحییٰ بن احمد الکاشی[۳] کی تصنیف ہے، انڈیا آفس لائبریری میں بذیل نمبر ۱۵۰ محفوظ ہے،

الایشاح علی الایضاح کے عنوان سے ایک شرح محی الدین محمد بن ابراہیم بن حسن النکساری[۴] نے بھی لکھی، یہ شرح بہت مشہور ہوئی،

فخر الدین الخوارزمی نے الایضاح کے ابیات کی شرح لکھی[۵]، اس کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں بذیل نمبر ۲۸۱ محفوظ ہے، اس میں دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغۃ میں سے بھی شواہد لیکر شامل کئے گئے ہیں،

ایک گمنام شرح ابیات ایضاح المعانی اسکوریال لائبریری میں بذیل نمبر ۲۴۹ محفوظ ہے، اور غالباً اسکی ایک نقل بانکی پور لائبریری میں بذیل نمبر ۲۱۹ بھی موجود ہے،

۲- مفتاح تلخیص المفتاح محمد بن المظفر الخطیبی الخلخالی[۶]، حاجی خلیفہ بیان کرتے ہیں، کہ خلخالی کا دعویٰ ہے، کہ تلخیص المفتاح کی پہلی شرح میں نے لکھی ہے اور قزوینی پر جو اعتراضات

۱؎ ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد اول ص ۵۰۹) ۲؎ ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) میں فوت ہوئے (حاجی خلیفہ جلد ۱ ص ۵۰۹) ۳؎ دسویں صدی ہجری کے عالم تھے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۱۷-۱۸) ۴؎ ۹۰۱ھ (۱۴۹۵ء) میں وفات پائی، (الشقائق جلد ۱ ص ۳۰۶-۳۰۸) ۵؎ حاجی خلیفہ جلد ۴ ص ۲۱ ۶؎ ۷۴۵ھ (۱۳۴۴ء) میں فوت ہوئے، حاجی خلیفہ نے ان کا سنہ وفات ۷۴۰ھ (۱۳۳۹ء) بیان کیا ہے، (جلد ۲ ص ۴۰۳)

کئے گئے ہیں انمیں ان کا جواب دیا ہے، اس کے دو نسخے دار الکتب المصریہ میں بذیل نمبر ۳۴ و نمبر ۲۲۹ محفوظ ہیں،

۳- شرح التلخیص المطول سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی[۱]: اس شرح کی تکمیل ماہ صفر ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں بمقام ہرات ہوئی، اس نے بڑی شہرت حاصل کی، پہلی مرتبہ ۱۲۶۰ھ میں قسطنطنیہ کے مطبع سے شائع ہوئی، اسکی متعدد شرحیں اور بہت سے حواشی لکھے گئے، یہ کتاب بھی کئی جگہ نصاب میں ہے،

۴- شرح التلخیص شمس الدین محمد بن عثمان بن محمد الزوزنی[۲] کا ایک قلمی نسخہ برلین لائبریری میں بذیل نمبر ۷۲۱۶، محفوظ ہے،

۵- لطیف المعانی: شہاب الدین احمد بن محمد بن الصاحب[۳] تلخیص المفتاح کا خلاصہ ہے، اسے تلخیص التلخیص بھی کہتے ہیں،

۶- مختصر شرح تلخیص المفتاح[۴] تفتازانی اسکی تصنیف ۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء) میں بمقام غجدوان عمل میں آئی، اور محمود جانی بیگ کو پیش کی گئی، یہ اپنے زمانہ کی جامع کتاب ہے، اور اس قدر مقبول ہوئی کہ اس فن میں آج تک بہترین کتاب شمار کیجاتی ہے اور اب بھی بہت سی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے، پہلی مرتبہ کلکتہ میں ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں شائع ہوئی Mehren نے

۱؎ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوئے (E.I. جلد ۴ صفحہ ۷۰۴) ۲؎ تقریباً ۷۵۰ھ (۱۳۴۹ء) میں فوت ہوئے، ۳؎ ۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) میں وفات پائی، مگر حاجی خلیفہ نے ان کا سنہ وفات ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) درج کیا ہے (حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۴۱۱) ۴؎ تفتازانی نے اس کا خود کوئی نام نہیں رکھا، اب وہ کئی ناموں سے مشہور ہے، المختصر، مختصر المعانی، اختصار شرح التلخیص، الشرح المختصر، مختصر المطول جو اسکی مقبولیت کا ثبوت ہے،

اس سے بھی اقتباسات لیکر اپنی کتاب مین درج کیے ہین[1]، مختصر المعانی کی بھی بے شمار شرحین اور ان گنت حواشی لکھے گئے، مطول سب سے زیادہ مقبول ہوئی،

۷- عروس الافراح (فی شرح تلخیص المفتاح) بہاء الدین احمد بن علی السبکی[2]: ضخیم شرح بحر الاطول کے لگ بھگ ہے، ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) مین اختتام کو پہونچی، اور ۱۳۱۷ھ مین طبع ہوئی،

۸- محمد بن احمد الموفق القیصری نے رمضان ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) میں ایک شرح تصنیف کی[3]،

۹- حاشیہ: اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی[4]، اس حاشیہ مین ان اعتراضات کو رد کیا گیا ہے جو قزوینی پر وقتاً فوقتاً ہوتے رہے، یہ حاشیہ ۷۷۲ھ (۱۳۷۰ء) مین لکھا گیا،

۱۰- ایک شرح عبد اللہ بن نقرہ کار الحسینی[5] نے بھی لکھی،

۱۱- ایک اور شرح محمد بن یوسف بن احمد الحلبی المعروف بناظر الجیش[6] نے لکھی مگر یہ اب ناپید ہے[7]،

۱۲- محمد بن یوسف بن الیاس القونوی[8] نے بھی ایک شرح تصنیف کی،

۱۳- جلال الدین بن احمد بن یوسف التبانی[9] نے بھی ایک شرح لکھی،

۱۴- نظم (التلخیص) زین الدین طاہر بن الحسن بن حبیب الحلبی[10]، یہ ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل تھی، مگر اب ناپید ہے،

ف۱ جلد ۴ ص ۴۰۲ ف۲ ۷۷۳ھ (۱۳۷۱ء) مین فوت ہوئے ف۳ حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۰ ف۴ ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) مین وفات پائی، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۰۹) ف۵ ۷۴۶ھ (۱۳۴۴ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۰) ف۶ ۷۶۶ھ (۱۳۶۴ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۰) ف۷ ۷۷۸ھ (۱۳۷۶ء) مین وفات پائی، حاجی خلیفہ نے ۷۸۴ھ (۱۳۸۲ء) لکھا ہے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۰) ف۸ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) مین وفات پائی (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۰) ف۹ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۳)

۱۵ و ۱۶- تلخیص التلخیص عز الدین محمد بن ابی بکر بن الجماعۃ[1]، ابن جماعۃ نے ایک شرح بھی لکھی،

۱۷- نظم (التلخیص) شہاب الدین احمد بن عبد اللہ الفیجی[2]،

۱۸ و ۱۹- تحفۃ المعانی لعلم المعانی عبد الرحمن بن ابی بکر العینی[3]، تلخیص المفتاح کا خلاصہ ہے، انھون نے تلخیص المفتاح کو نظم بھی کیا ہے،

۲۰- تلخیص التلخیص لطف الدین حسن التوقانی الشہیر بمولینا لطفی[4]، یہ کتاب بھی تلخیص المفتاح کا خلاصہ ہے،

۲۱- نظم التلخیص: ابو النجا بن خلف المصری[5]،

۲۲- معاہد التنصیص فی شرح شواہد التلخیص زین الدین عبد الرحیم بن عبد الرحمن بن احمد العباسی[6]، مشہور کتاب ہے، غالباً پہلی مرتبہ مطبع بولاق مین ۱۲۷۴ھ مین چھپی، اچھی ضخیم شرح ہے، ۹۰۱ھ (۱۴۹۶ء) مین بمقام قاہرہ تصنیف ہوئی، اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے، دیباچہ مین خود ہی ذکر کرتے ہین، کہ اس کام کو جلال الدین سیوطی نے شروع کیا تھا، مگر پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، معاہد التنصیص ابو البقاء محمد بن یحیٰی بن شاکر بن الجیعان کے نام سے منسوب ہے، زین الدین عباسی کو جب دوسری مرتبہ قسطنطنیہ جانے کا اتفاق ہوا[7] تو معاہد التنصیص کا ایک نسخہ قاضی القضاۃ مولنا سعدی کو بطور پیش

ف۱ ابن جماعۃ: ۸۱۹ھ (۱۴۱۶ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۲، برلن لائبریری نمبر ۷۲۲۸) ف۲ ۸۶۰ھ (۱۴۵۶ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۳) ف۳ ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء) مین وفات پائی، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۲۳۹، ۲۴۰ و ۴۱۲ و ۴۱۳) ف۴ ۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء) کے لگ بھگ شہید ہوئے (الشقائق جلد ۱ ص ۱۸ و ۳۱۳ نیز حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۱) ف۵ یہ بھی ۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء) کے لگ بھگ فوت ہوئے (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۳) ف۶ ۹۶۳ھ (۱۵۵۵ء) میں فوت ہوئے ف۷ یہ غالباً ۹۲۶ھ (۱۵۲۰ء) کے بعد کا واقعہ ہے،

کیا، انھون نے اسے بہت سراہا، ہبیضہ رمضان ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) مین تیار ہوا، اس مین ہر شعر کی ہر جزوی کے علاوہ اس کی تشریح خوب وضاحت سے کی ہے، اور اس کے شاہد ہونے کی علت کو بیان کیا ہے، اور شاعر کی زندگی کے بعض پہلوؤن پر بھی روشنی ڈالی ہے، جہان مناسب سمجھا ہے جابجا لطائف بھی درج کئے ہین اور صنعتون کے بیان مین مزید شواہد بھی پیش کئے ہین،

۲۳- المختار (فی المعانی والبیان) یوسف بن حسین الکرماسی[1]، تلخیص المفتاح کا خلاصہ ہے شواہد اور امثال کو متن مین سے حذف کرکے حاشیہ پر بطور شرح درج کیا ہے،

۲۴ و ۲۵- مفتاح التلخیص جلال الدین سیوطی[2]، انھون نے تلخیص المفتاح کو بھی نظم کیا ہے، اور اسے عقود الجمان کا نام دیا، یہ کئی مرتبہ چھپ چکی ہے، مثلاً بولاق ۱۲۹۳ھ نیز A.F. Mehren کی کتاب مین بھی اس نظم کے چیدہ چیدہ شعر درج ہین[3]

۲۶- انقص الامانی فی علم البیان والبدیع والمعانی، ابویحیی زکریا الانصاری الشافعی المصری[4]، تلخیص المفتاح کا خلاصہ ہے، ڈیڑھ سو صفحہ سے زیادہ کا حجم ہے، دار الکتب المصریہ مین بذیل نمبر ۴۰۶ اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

۲۷- ابویحیی انصاری کی ایک اور کتاب تحفۃ تلخیص المفتاح بھی ہے، جو بولاق مین ۱۳۰۵ھ مین طبع ہو چکی ہے، غالباً اسی کا ایک نسخہ بانکی پور لائبریری مین بذیل نمبر ۲۱۹ موجود ہے[5]، جسے ابھی تک شناخت نہین کیا گیا،

[1] ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) مین وفات پائی (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۸۰ و جلد ۵ ص ۴۸) [2] ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) مین وفات پائی [3] Rhetorik der Araber, A.F. Mehren -Copenhagen: 1853: pp. 47-62 and 109-140 [4] ۹۲۶ھ (۱۵۱۹ء) مین فوت ہوئے [5] یہ قیاس صرف کتاب کے عنوان کی موافقت پر مبنی ہے،

۲۸- الافصاح عن لب الفوائد والتلخیص والمصباح (فی المعانی والبیان) رضی الدین محمد ابن محمد الغزی العامری[1]، اس مین تلخیص المفتاح، المصباح فی اختصار المفتاح اور الفوائد الغیاثیہ کے حواشی جمع کئے گئے ہین،

۲۹- الاطول عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عربشاہ الاسفرائینی[2]، یہ مطول سے بھی زیادہ ضخیم ہے، آستانہ مین ۱۲۸۴ھ مین طبع ہوئی،

۳۰- نظم الوشاح علی شواہد تلخیص المفتاح: زین الدین عبد الرحیم العباسی، یہ کتاب جمادی الاخری ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) مین حوالۂ قرطاس ہوئی، اب بظاہر نایاب ہے،

۳۱ و ۳۲- المسالک نور الدین حمزہ بن طورغود[3]، تلخیص المفتاح کی تلخیص ہے، اور ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) مین لکھی گئی، جب کہ ابن طورغود حج کے لئے جا رہے تھے، یہ سفر کے دوران ہی مین ختم ہوئی، اسی نسبت سے اس کا نام المسالک رکھا، کتاب مقدمہ اور خاتمہ کے علاوہ تین مسلک پر مشتمل ہے، انھون نے ایک شرح بعنوان الہوادی بھی لکھی، المسالک کا ایک نسخہ جوتا لائبریری مین بذیل نمبر ۷۸۶ محفوظ ہے،

۳۳- شرح شواہد (التلخیص) بدر الدین محمد بن رضی الدین محمد الغزی مفتی الشام[4]،

۳۴ و ۳۵ پر ویز الرومی[5] نے تلخیص المفتاح کی ایک شرح لکھی، اور پھر اسکا خلاصہ بھی کیا جو تحقیق التلخیص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،

[1] ۹۳۵ھ (۱۵۲۸ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ا ص ۲، ۳) [2] ۹۴۳ھ (۱۵۳۶ء) مین فوت ہوئے حاجی خلیفہ نے ان کا سنہ وفات ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) درج کیا ہے، ابو الفلاح عبد الحی بن العماد نے ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) بیان کیا ہے (شذرات الذہب جلد ۸ ص ۲۹۱) [3] ابن درغود بھی لکھا ہے، (ملاحظہ ہو جوتا لائبریری) دمشق مین ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) مین وفات پائی [4] ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) مین وفات پائی (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۲۱۱) [5] ۹۸۶ھ (۱۵۷۹ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

۳۶ - تحیص التلخیص حسن آفندی الآقحصاری الکافی[1]، اس کا ایک نسخہ Bibliotheque (Bloches) Nation ale مین بذیل نمبر ۴۲۱۸ محفوظ ہی،

۳۷ - معاہد التنصیص فی شواہد التلخیص الصبان، یہ کتاب برلین لائبریری مین بذیل نمبر ۲۲۶ محفوظ ہے، Ahlwardt نے اس نسخہ کو گیارہوین صدی ہجری (وسط) کا بیان کیا ہی، یہ الصبان یقیناً ابوالعرفان محمد بن علی الصبان نہین، جو ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ء) میں فوت ہوئی،

۳۸ - مواہب الفتاح فی شرح تلخیص المفتاح: ابن یعقوب المغربی[2]، بولاق مین ۱۳۱۷ھ مین چھپی،

۳۹ - انبوب البلاغہ فی ینبوع الفصاحۃ، خضر بن محمد المفتی الاماسی[3]: یہ نظم ۱۰۶۱ھ (۱۶۵۱ء) میں موزون ہوئی، ایک نسخہ دار الکتب المصریہ مین بذیل نمبر ۶ موجود ہے،

۴۰ - ابراہیم بن محمد بن عیسیٰ المیمونی[4] نے بھی تلخیص المفتاح پر ایک حاشیہ لکھا جو اب ناپید معلوم ہوتا ہے،

۴۱ - مختصر شرح شواہد التلخیص کسی گمنام صاحب قلم کی تصنیف ہے، اس کا ایک نسخہ برلن لائبریری مین بذیل نمبر ۲۲۷ محفوظ ہے،

۴۲ - نفائس التنصیص فی شرح کتاب التلخیص محمد بن محمد بن محمد التبریزی: ایک نسخہ دار الکتب المصریہ مین بذیل نمبر ۵۱۳ محفوظ ہے، قزوینی کے الفاظ "قال" سے اور تبریزی کے الفاظ

---

[1] ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) مین فوت ہوئے، (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۶۱۷) [2] دار الکتب المصریہ مین اس کے ایک پرانے نسخہ نمبر ۲۵۵ پر شوال ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) درج ہے، جو تاریخ کتابت ہے [3] خضر بن محمد بھی ایک جگہ درج ہو (حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۴۱۳) [4] ۱۰۷۹ھ (۱۶۶۸ء) میں فوت ہوئے (برلن لائبریری نسخہ نمبر ۲۲) [5] نسخہ پر ۱۰۶۱ھ (۱۶۵۱ء) درج ہی،

"اَقُوْلُ" سے پیش کئے گئے ہین،

۴۳ - التخصیص (فی شواہد التلخیص)[1]

۴۴ - توضیح فتوح الارواح کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہی[2] مگر مصنف کا کچھ ذکر نہین کیا صرف یہی لکھا ہے کہ شرح کافی ضخیم ہے،

۴۵ - الانتصار: احمد بن عمر المارِدینی[3] بھی تلخیص المفتاح کی ایک شرح ہے، اس کا ایک نسخہ برنسٹن یونیورسٹی لائبریری مین محفوظ ہے،

۴۶ - دورِ حاضر کے عالم و فاضل اجل عبد الرحمٰن البرقوقی نے بھی تلخیص المفتاح کی شرح لکھی ہی، جو ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) مین مطبعۃ النیل سے شائع ہوئی،

اس فہرست مین صرف ایسی شرح اور حواشی کا ذکر کیا گیا ہی جو بلا واسطہ تلخیص المفتاح یا کتاب الایضاح سے تعلق رکھتی ہین، اگر وہ شرحین بھی جو مختصر اور مطول وغیرہ پر لکھی گئی ہین[4]، شامل کر لی جاتین، تو ان کی تعداد سیکڑون تک پہونچ جاتی، مطبوعہ کتابون کے مزید حوالجات پیش کرنے سے بخوفِ طوالت گریز کیا گیا ہے،

---

[1] حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۲۵۰ [2] حاجی خلیفہ جلد ۲ ص ۱۴۱ [3] ان کے متعلق مزید اطلاع نہیں مل سکی، [4] یہ درست ہی کہ وہ بھی یک گونہ "تلخیص المفتاح" کی شرحین ہین،

انتخاباتِ شبلی

مولانا شبلی کی شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر کا انتخاب جس مین کلام کے حسن و قبح اور عیب و ہنر اور شعر کی حقیقت اور اصول تنقید کی تشریح کی گئی ہے، قیمت ۲ ضخامت ۲۲۰ صفحے،

"مینجر"

نفسیاتی طریقۂ علاج

از

جناب خواجہ عبدالحمید صاحب لکچرار فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور

انسان کی شخصیت کے دو اہم پہلو ہین، نفس اور جسم، دونون کی صحت پر پوری شخصیت کی صحت منحصر ہے، اگر ان مین سے ایک کی صحت کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے تو دوسرے کی صحت بھی دیر تک قائم نہین رہ سکتی جس طرح جسم کا نفس پر اثر ہے، اسی طرح نفس کا جسم پر اثر ہے، اگر آپ کے سر مین درد ہے تو آپ دماغی کام نہین کر سکتے، اور اگر آپ کی طبیعت کسی وجہ سے سخت پژمردہ ہے تو بھی آپ کے جسمانی قوی بالکل شل ہو جاتے ہین، نفس اور جسم کے اس رشتہ کو عوام نے کبھی نظر انداز نہین کیا، البتہ زمانۂ حال کے ابتدائی دور مین جب سائنس نے ترقی شروع کی، تو اوس نے صرف جسم کی طرف توجہ کی، اور نفس سے دیر تک تغافل برتا، سائنس کا یہ رجحان اس وقت بھی بعض طبیعتون مین موجود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جہان جسمی طب صدیون سے ترقی کر رہی ہے، وہان نفسیاتی طب ابھی اپنی ابتدائی منزلون مین ہے، نفسیاتی طب کا علمی اور فنی مطالعہ انیسوین صدی کے وسط مین فرانس کے بعض نفسی حلقون مین شروع ہوا، ان لوگون نے نفسی، ذہنی اور شخصی بیماریون کا عملی اور فراستی مطالعہ شروع کیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد مصنوعی نیند ہپنوسس (Hypnosis.) کی دریافت ہوئی، نفسی اشارہ (Suggestion.) کے اس اہم اثر کا انکشاف ہوا، جو ہماری معمولی اور غیر معمولی نفسی حالتون پر ہوتا ہے، الغرض نفسی امراض کے مطالعہ اور علاج کے لئے نئے نئے طریقے

استعمال مین آئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ویانا (Vienna) کے مشہور نفسی طبیب فرویڈ (Freud) نے ١٨٩٥ء مین ایک بالکل نیا نظریہ اور نیا طریقۂ علاج پیش کیا، جو آج تحلیل نفسی (PSYCLO-ANALYSIS) کے نام سے مشہور ہے، فرویڈ کی حیثیت اس فن مین ایک بالکل نئے دور کے بانی کی ہے، اور معتقد اور غیر معتقد دونون اس سے متاثر ہوئے ہین، فرویڈ کے نظریون اور عملی طریقون پر ابھی لے دے ہو رہی تھی، کہ ١٩١٤ء مین جنگ عظیم شروع ہوئی، اس جنگ مین خندقی لڑائیون نے اس قدر بھیانک شکل اختیار کر لی کہ بہت سے سپاہی بالکل ناکارہ ہو گئے، ان کے جسم تو صحیح و سالم تھے، لیکن ان کی دماغی، ذہنی اور روحانی حالت خراب ہو چکی تھی، کسی کو خندق کی زیر زمین جائے پناہ قبر کی طرح کھاتی تھی، کوئی خوفناک آواز مین سنتا تھا، کسی کو ہر بات پر متلی ہوتی تھی، کسی کی شخصیت دو یا تین شخصیتون مین بٹ گئی تھی، غرض جسم ٹھیک تھے، لیکن نفس اپنی معمولی صحت کو کھو بیٹھا تھا، ان مریضون کو اول اول تو عام ہسپتالوں میں بھیجا گیا، لیکن جسمی طب علاج سے عاجز نظر آئی، اس لئے چار و ناچار نفسی طریقے علاج کی طرف رجوع کیا گیا، فرویڈ کے طریقے عام ہوئے، اور ان مین وقت اور ضرورت کے مطابق ترمیم ہوتی رہی اور آج تک ہو رہی ہے، علاج کے یہ طریقے نہایت پیچیدار، صبر آزما، مہنگے اور طویل ہین، انھین صرف فن کا ماہر ہی برت سکتا ہے، اناڑی کے ہاتھ مین یہ طریقے صرف بیکار ہی نہیں، سخت خطرناک بھی ہین، لیکن ان طریقون کی بنیاد ان عام اصولون پر ہے جو انسان کو صدیون سے معلوم ہین، اور اگر ان عام اصولون کو ہم ذرا علمی ترتیب دیکر سمجھ لین، اور پھر سلیقہ اور توجہ سے ان پر عمل بھی کرین تو بہت سی نفسی بیماریان اور تکلیفین جو شدید تو نہین ہین، لیکن زندگی کو تلخ ضرور بنا دیتی ہین، دور کیجا سکتی ہین، ہر شخص کو ان تکالیف سے کبھی نہ کبھی وقت دو چار ہونا پڑتا ہے، مثلاً ایک کو گھبراہٹ ہے تو دوسرے کو حد درجہ کی پریشانی، ایک کو نیند نہین آتی تو دوسرے

کے دل سے برے خیالات نکلتے ہی نہین، ایک وہم کے بھوت کا شکار رہے، تو دوسرے کو بیجا خوف دم لینے نہین دیتا، ہم چاہتے ہین، کہ ان تکالیف کو دور کرین، ہم ان کو بے حقیقت بھی تسلیم کرتے ہین لیکن اپنی کوششون کے باوجود ہم اپنے آپ کو ان کے پنجے سے چھڑا نہین سکتے،

ایسی حالتون مین ہمین کیا کرنا چاہئے، ؟ طریقۂ علاج کیا ہونا چاہئے ؟ چند باتین قابلِ غور ہین

۱- اول یاد رکھنا چاہئے کہ نفسیاتی طریقۂ علاج کامیاب صرف اسی حالت مین ہوسکتا ہے جب کہ مریض پورے خلوص سے اس مین شریک ہو، جسمی علاج مین آپ مریض کو مجبور کرکے دوا پلا سکتے ہین، لیکن نفسیاتی علاج مین اگر مریض صحت کا خواہشمند نہین ہے، تو آپ کے سارے جتن بے کار ثابت ہون گے،

۲- ہر تکلیف کی کوئی وجہ یا کوئی سبب ہوتا ہے، یہ سبب دور کر دیجئے، تکلیف خودبخود دور ہو جائے گی، ہماری شخصیت بھی ایک قسم کی کل ہے، اگر کل اپنا کام اپنی معمولی خوبی سے کر نہین رہی ہے، تو ضرور ہے کہ کوئی پرزہ خراب ہے، یا پرزون کے بعض جوڑ ڈھیلے پڑ گئے ہین، ان نقائص کو دور کیجئے، تکلیف خودبخود دور ہو جائے گی، ہماری شخصیت قوانینِ فطرت کے مطابق چل رہی ہے، اگر ہم ان قوانین کے مطابق اپنے عمل کو جوڑ توڑ لین تو شخصیت اپنی صحیح حالت پر آجائے گی، آپ سوچین گے جس شخص کا بیٹا جنگ مین شریک ہے، اس کی گھبراہٹ قوانینِ فطرت کی اس یاد سے کیسے دور ہو گی ؟ سو عرض ہے کہ اگر وہ شخص یہ خیال دل مین جمائے کہ لڑکا جنگ مین ہے، مین دور ہون، میری گھبراہٹ اسے بچا نہ سکے گی، بلکہ اگر میرے خطوط سے اُسے اس گھبراہٹ کا علم ہو گیا، تو وہ پریشان ہو گا، موت وحیات کی کنجی خدا کے ہاتھ مین ہے، جنگ کتنی ہی سخت کیون نہ ہو، مرتے تھوڑے ہین، بچتے زیادہ ہین، وغیرہ، تو اسکی گھبراہٹ ایک قسم کے سکون مین بدل سکتی ہے، ایسی حالت مین اپنے آپ کو کوسنا نہ صرف

نقصان دہ ہوتا ہے، بلکہ بیجا بھی ہوتا ہے، صرف اسباب کی دریافت مین سعی کیجئے، جو اُن مین دور ہو سکتے ہین اُنھین دور کیجئے، جب طبیعت اس سوچ مین لگ جائے گی، تو گھبراہٹ بھی دور ہو جائیگی،

(۳) کل کے نقائص کی دریافت صرف اس حالت مین کامیاب ہو سکتی ہے، جب ہمین اس کل کی معمولی اور صحیح حالت کا علم ہو، اب صحیح و سالم شخصیت کا رنگ ڈھنگ کیسا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اپنی عادلت مین باقاعدہ، اپنی جسمانی صحت مین اچھا، اپنے کاروبار مین مصروف، مستقل مزاج، وقت پر سونے والا، وقت پر جاگنے والا، صحیح المعدہ، صحیح الدماغ، غذا مین سادگی پسند، خانگی زندگی مین کامیاب اور دوست یار کی صحبت کا دلدادہ ہوتا ہے، ہماری شخصی کل جب بگڑتی ہے، تو یقین جانئے کہ ان ضروریاتِ زندگی مین سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ ضرورت پوری نہیں ہو رہی ہے، اسلئے علاج مین ان باتون کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور جو نقص ہم خود دفع کر سکتے ہین، اسے فوراً دور کر دینا چاہئے،

(۴) مشہور ہے نیم حکیم خطرۂ جان، گاؤزبان و بنفشہ، سوڈا، بائیکارب اور کونین، نمک وشکر اس قسم کی بیسیون چیزون کے نام ہر شخص جانتا ہے، لیکن کیا ہر شخص انکا صحیح طبی استعمال بھی کسی خاص مریض کے لئے کر سکتا ہے ؟ مقدار و ضرورت کا تعین صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو طب کو بطور فن جانتا ہو، یہی حال روزمرہ کی نفسیاتی طب کا ہے، یہ طریقۂ علاج سادہ و عام فہم ضرور ہے، لیکن ہر شخص اس کا اہل نہین ہے، اس کام مین صرف وہی شخص ہاتھ ڈالے جو معمول سے زیادہ سوجھ بوجھ، شعور و فہم اور سلیقہ رکھتا ہو، مثلاً دو اشخاص ہین، ایک طبعاً تند اور دوسرا مزاج کا دھیما، دونون کو کسی مجمع کے سامنے تقریر کرنا ہے، دونون گھبرا رہے ہین، کہ ہم سے یہ کام ہو نہ سکے گا، تو کیا دونون کو آپ ایک سا مشورہ دین گے ؟ ہرگز نہین، دھیمے مزاج والے سے آپ کہین گے، کہ ارے میان کیون گھبرا رہے ہو؟ تقریر

تمہارے پاس تیار پڑی ہے، مضمون کو تم عوام سے زیادہ اچھا سمجھتے ہو، مجمع میں اکثر لوگ تمہارے فہم و علم کے معترف ہیں، نکتہ چینی کا وہاں گذر نہیں، ہاں تم اپنی آواز معمول سے ذرا زیادہ بلند رکھنا، میرے سامنے تو پڑھو، واللہ بہت اچھی ہے وغیرہ وغیرہ ...... تندمزاج صاحب آپ ذرا اکڑ کر بولیں گے، واہ صاحب واہ، یوں تو آپ بات بات پر گرجتے رہتے ہیں، اور اب تقریر کرنے سے گھبرا رہے ہیں، آخر اس مہم میں دھرا ہی کیا ہے، ؟ تندمزاج صاحب کا خود اپنا جذبۂ خود نمائی انکو اس مہم میں کامیاب کر دے گا،

مختصر یہ کہ اگر دو مریضوں کا نفسی نقص ایک ہی نوع کا ہو تو ضروری نہیں کہ علاج بھی ایک ہی طرح کا ہو، علاج کا انحصار ان دو مریضوں کی شخصیت پر ہوگا، اس لحاظ سے نفسیاتی طب جسمی طب سے مختلف ہے، وہاں اگر مرض ملیریا ہے، تو آپ ہر مریض کو کسی نہ کسی صورت میں کونین ہی دیں گے، البتہ اسکی مقدار اور دوسری ادویہ سے اسکی آمیزش قدرے مختلف ہوگی، یعنی دوا مرض کی نوعیت کے مطابق ہوگی، اور صرف اس کے دینے میں آپ مریض کی جسمی کیفیت کا خیال رکھیں گے، لیکن نفسیاتی طب میں علاج تمامتر مریض کی طبیعت پر منحصر ہے، مرض اگر بیجا اور غیر معمولی گھبراہٹ ہے، تو آپ مریض کی گھبراہٹ کو ترغیب سے دور کرتے ہیں، دوسرے کی تحریص سے کسی کو ڈراتے ہیں، کسی سے بحث کرتے ہیں، کسی سے چھیڑ چھاڑ اور کسی سے دانستہ تغافل برتتے ہیں، اسی لئے پہلے عرض کیا گیا ہے، کہ جہاں نفسی بیماری غیر معمولی شدت کی ہو، وہاں علاج تمامتر ماہر فن کے ہاتھ میں ہونا چاہئے،

(۵) نفسیاتی علاج کا ایک نہایت موثر ذریعہ صدیوں سے عوام کو معلوم ہے، یعنی روحانی طریقۂ علاج، نبی، ولی، رشی، منی، نہ صرف انسان کو روحانی تعلیم ہی دیتے رہے ہیں بلکہ اس کی جسمی اور نفسی بیماریوں کا علاج بھی کرتے رہے ہیں، ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں، جو اپنے

پیروؤں میں جذبۂ ایمان کو اس قدر تیز و خالص کر دیتے ہیں، کہ ان کے اشارے ہی سے بیماری دور ہو جاتی ہے، کیا روحانی علاج کا یہ موثر طریقہ کسی نفسی حقیقت پر مبنی ہے، ؟ نفسیات کا جواب ہے کہ نفسیاتی اشارہ (Suggestion) پر جس طرح ماہر ہپنوٹس مریض کے دل میں خیال ڈال دیتا ہے، کہ بس اب تمہیں صحت ہوگئی، اور یہ خیال اندر ہی اندر اثر کر جاتا ہے، اسی طرح سے روحانی طبیب خدا کی قوت و عظمت کا واسطہ دیکر مریض کے دل میں ایسا پُر اثر خیال راسخ کر دیتا ہے، کہ پھر بیماری کا خیال و وہم بھی پاس پھٹک نہیں سکتا، خدا کے رحم و کرم، اسکی قدرت و شفقت کا خیال اس قدر پُر اثر ہے، کہ جونہی ہم اسکی طرف رجوع کرتے ہیں، ہماری جسمی و نفسیاتی رگوں میں ایک نئی زندگی عود کر آتی ہے، اور شخصیت کی بجھتی شمع پھر چمک اٹھتی ہے، نفسیاتی طب کو اس روحانی اپیل یعنی دعا سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، البتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ صرف روحانی اپیل ہی ہر حالت میں کارگر نہیں ہو سکتی، جہاں مرض عضوی ہو یا کسی عضو کی شکست ہی ہو چکی ہو وہاں جسمی علاج کے بغیر صحت قریب قریب ناممکن ہوتی ہے، روحانی علاج انسان کو جسمی و نفسیاتی علاج سے بے نیاز نہیں کر سکتا، لیکن وہ ہر حالت میں ہمارے اندر ایک ایسا سکون پیدا کر سکتا ہے جو صحت کے حصول میں معاون ہے،

(۶) نفسیاتی طب میں اشارے سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، یہ اشارہ کیا ہے ؟ کسی کے دل میں ایسا خیال ڈال دینا، جو کسی کام کی طرف محرک ہو، لیکن اس تحریک میں دلیل کا دخل نہ ہو، اور اس کا طریق کار بالکل ایسا ہو، جیسا کہ کل کا ہوتا ہے، نفسیاتی اشارہ کوئی غیر معمولی شے نہیں ہے، بچپن سے لیکر بڑھاپے تک زندگی کے ہر شعبے میں اشارہ کارگر ہے، ہاں نفسیاتی طب اس اشارہ کو خاص خاص طریقوں سے استعمال کرتی ہے، روزمرہ کی طب میں یہ طریقۂ کار کیسے استعمال ہو سکتا ہے، ؟ اسکی بہترین مثال فرانس کے مشہور طبیب کوئے (Coue) کے

کارنامون مین ملتی ہے، کوے نے کئی ایسے مریضون کو نفسیاتی ذریعون سے شفا بخشی، جو صحت سے ناامید ہوچکے تھے، اس کا گر ایک تھا، ذوقِ یقین، دل مین یقین ہونا چاہئے، کہ مین صحت یاب ہو رہا ہون، صحت خود بخود آجائیگی، اس کا مقولہ مشہور ہے "سونے سے پہلے آہستہ آہستہ لیکن پوری دلجمعی سے یہ الفاظ دہراؤ، ہر روز اور ہر لحاظ سے میری حالت بہتر سے بہتر ہو رہی ہے، اس خیال کو لیکر سو جاؤ اور اس خیال کو دل مین لئے ہوئے جاگو"!

(۷) اب مین نہایت مختصر طور پر فروئیڈ کے مشہور طریقۂ علاج 'تحلیل نفسی' کا ذکر کرتا ہون اس کا نظریہ ہے کہ تمام نفسی بیماریان کسی ایسے جذبہ کی وجہ سے ہوتی ہین، جو ظاہر ہونے سے رُک گیا ہو یا روک دیا گیا ہو، یہ جذبہ شعور کی سطح کے نیچے تو اُتر جاتا ہے، فراموش بھی ہو جاتا ہے لیکن زندہ رہتا ہے، اور ہر لحہ اس کوشش مین ہوتا ہے، کہ سطح سے اوپر ابھر کر اپنی نفسی تسکین حاصل کرے، لیکن اسے شروع مین دبایا کیون گیا؟ اس لئے کہ شعور اسے اخلاق و انسانیت کے درجہ سے گرا ہوا سمجھتا تھا، اس لئے یہ جذبہ اپنی اصلی حالت مین تو ظاہر ہو نہیں سکتا، طرح طرح کے بھیس بدل کر نکلنا چاہتا ہے، چنانچہ دن کے وقت زبان کی لغزش اور اطوار کی بے ربطی اسکی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے، اور رات کو وہ عجیب و غریب خوابون کی صورت مین نمایان ہوتا ہے، اس طرح سے انسان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، چین اسے نصیب نہین ہوتا، اور کسی نفسی مرض کا وہ شکار ہوتا ہے، اس کا علاج فروئیڈ کے نزدیک یہ ہے، کہ طبیب اپنی کوششون سے مریض کے اس فراموش شدہ جذبہ یا خیال کو شعور کی سطح پر لے آئے، اور پھر ترغیب یا بحث سے اس جذبہ کی تحلیل کردے، مریض دیکھے گا کہ میرا مرض اس جذبہ کو دبانے کی وجہ سے تھا، اب مین دیکھتا ہون کہ بات تو ایسی نہین ہے کہ اسے اس طرح سے چھپایا جاتا خیال تو معقول و ناپاک ضرور ہے، لیکن مین بھی تو بندۂ بشر ہون، جب ذہن و شعور اسے اس نظر سے دیکھتے ہین، تو خیال اپنی طبعی موت مر جاتا ہے،

اس طریقۂ علاج مین 'تحلیلِ خواب' کو خاص درجہ حاصل ہے، لیکن یہ کام صرف ماہر کا ہے، اور ماہرین مین اب بھی بہت کچھ اختلاف ہے، کہ تحلیل و تعبیر کیسے کیجائے، فروئیڈ کا ایک عمل نہایت دلچسپ ہے اسے 'خیالات کے باہمی تسلسل' کا طریقہ کہہ سکتے ہین، مریض کے سامنے چند الفاظ (جو خاص اس کام کیلئے وضع کئے گئے ہین) آہستہ آہستہ کہے جاتے ہین، ہر لفظ کے بعد مریض کو ایک ایسا لفظ کہنا ہوتا ہے، جو فوراً ہی اس کے ذہن مین آئے، عام طور پر مریض اپنا جوابی لفظ ایک دو سکینڈ مین بول اٹھتا ہے، لیکن بعض الفاظ کے بعد وہ چار پانچ سکینڈ کا وقفہ لیکر کچھ کہہ سکتا ہے، اس کے دل و نبض کی رفتار بلکہ اس کے چہرہ کا رنگ بھی بدل جاتا ہے، یہ الفاظ طبیب کو اصل مرض کا پتہ دیتے ہین، ظاہر ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کا نہین ہے صرف ماہر فن ہی اسے خوبی سے نباہ سکتا ہے، اور پھر اس طریقۂ علاج کو پورا کرنے کے لئے طویل مدت بھی چاہئے، (آل انڈیا ریڈیو لاہور کی اجازت سے)

یادگارِ پاستان

از

جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی

میرے والد بزرگوار مولوی حکیم سید منظور احمد طیب اللہ رمسہ ۱۸۵۷ء کی شورش سے پیشتر عساکر برطانیہ کے میرمنشی، سالارانِ سپاہ کے مشیر و مفتی، کورٹ مارشل کے ترجمانِ اعلیٰ تھے، پھر خود ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا، تین مرتبہ تین جگہ مواخذہ ہوا، باعزاز و احترامِ تمام بری ہوئے، ملازمت کا رُخ فوج سے سول کی طرف پھرا، بڑے سے بڑے مناصب پر جو اُس وقت ہندوستانی اہلِ علم و فضل کو مل سکتے تھے، ممتاز ہوئے، کل حضرت مبرور کی تصانیفِ عالیہ کی ورق گردانی کر رہا تھا، کہ ایک گرامی نامہ دستیاب ہوا، جو بنگال سے اپنے برادر نسبتی کو لکھا تھا، یہ حد سے زیادہ ہلکے، گلابی رنگ کے فرنچ نوٹ پیپر پر ہے، اسی کاغذ کا چھوٹا سا لفافہ بھی ہے، ٹکٹ کا کام ایک ہشت پہلو انگریزی مہر زرد مائل بہ سُرخی دیتی ہے، خط اور لفافہ دونوں کو ملا کر تین ماشہ سے زیادہ وزن نہ ہوگا، جابجا کیڑوں نے کھا لیا ہے، مین نے وہان نقطے لگا دیئے ہین، اس خط سے آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر کے بنگال کے بعض دلچسپ حالات معلوم ہوتے ہین، اس لئے اسکو ناظرینِ معارف کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کیا جاتا ہے،

اس خط کو دیکھ کر بے اختیار شیخ فیضی کی وہ عرضداشت یاد آگئی، جو خاندیس سے اکبر کے نام بھیجی تھی، (دربارِ اکبری صفحات ۳۰۹ لغایتہ ۳۱۰) جو اُس زمانہ کے حالات و مقامات اور ان اطرافِ ہند کا اچھا خاصا گزیٹیر ہے، جس مین علما، صلحا، حکما، شعرا، رؤسا سب ہی کی حالت پر نگاہ ڈالی ہے، اپنے کلام، قصیدون اور غزلون سے اور بھی طولانی بنا دیا ہے، فرق یہ ہے کہ شیخ کی رپورٹ اپنے آقائے تاجدار کی آگاہی کے لئے تھی، اداے فرائضِ منصبی پر مبنی تھی، سانڈنی سوار لانے لیجانے کے لئے متعین تھے، یہان یہ خدمت غریب الدیار لکھنے والے نے اپنی خوشی اور شوق سے انجام دی ہے، رخصت ہونے کے وقت سے منزلِ مقصود تک پہنچنے مین جو جو ضروری باتین پیشِ نظر ہوئین، ان کو مناسب اختصار کے ساتھ اپنے اعزہ و احباب کی اطلاع کے لئے حوالۂ قلم کر دیا ہے، مجبوری یہ تھی، کہ نج کا خط تھا، خانگی اور ذاتی معاملات کا بھی ذکر کرنا تھا، اور یہ سب اطلاعات ہلکے سے ہلکے کاغذ پر گران محصول ڈاک دے کر چند ماشہ وزن کے اندر اندر پہونچانا تھین،

برادر صاحب مخدوم سید پرورش علی صاحب :-

......قصور منظور صانہ عن شر الدہور ملتمس آن کہ نیازمند بخیریتِ تمام بعد انقطاعِ صعوبات و مصائبِ کلیہ بتاریخ ۲۳ جنوری ۱۸۵۵ء بمقام اچانک[1] کلکتہ بہمراہی سید سخاوت حسین صاحب و وجاہت حسین صاحب و خورشید علی صاحب .... بسواری یابو و یکہ زگاوی رسیدہ الحمد للہ علیٰ احسانہ انچہ کہ تکالیف و تصادیع درطے مسافت کہ از تبادلہ اچانک لغایت سلطانپور(؟) میل ہست در عرصۂ یک صد و یک روز یعنی سہ ماہ و یازدہ روز برخود بر داشتم بر او تعالیٰ ہویدا است شرح نوشتن آن بیجا ست، بحالتِ فرصت از عقب نوشتہ خواہد شد، ملک و لباس و وضع این دیار الغطۃ للہ بسیار ناقص و بد غلیظ المزاج و بد صورتی و بد وضعی ختم بر ملک بنگالہ، رعایاے اینجا از بس از انتخاب(؟) ...

[1] اچانک اب بارک پور کے نام سے مشہور ہے، ضلع چوبیس پرگنہ کا صدر مقام اور ریلوے کا مرکز ہے، فوجی چھاؤنی بھی ہے، کلکتہ (سیالدہ) سے چودہ میل فاصلہ ہے،

می ترسند تحصیلداران در علاقہ صدر بنگالہ یعنی از کنار دریائے کرم ناسہ ضلع آرہ سہسرام نیستند
زرِ مالگذاری در کلکٹری داخل می کنند تنخواہ تھانہ داران [illegible] هم است اہتمام
سڑک و فوجداری از عرصۂ دو سال ذمۂ ڈپٹی مجسٹریٹان تنخواہ دار [illegible] اند، ذمہ ڈپٹی مجسٹریٹان
ہر تھانہ سپرد و بفاصلہ یک نیم کروہ مرحلہ ہا بہ تعیناتی ۸ نفر برقنداز و ۲ سوار و یک جمعدار مقرر شدہ اند
دیگر جمعداران سڑک را تا پنجاہ قدم چپ و راست اختیار و باز پرس بحضور حاکم مگر بخوابِ غفلت
شب را بسر می کنند شخصے بہ گشت نمی آید، از اختیار ڈپٹی مجسٹریٹان جیل سہ سال و تا ہفت سال مجرم
می یابد دیگر عملہ از ضلع مان بھوم و مرشد آباد بنگلہ شل تحریر سنسکرت است ڈپٹی مجسٹریٹان تحریر
در انگریزی و بنگلہ می کنند بہرہ از علم فارسی نمی دارند، حتی کہ لفافہ خط فارسی هم بہ مکتوب الیہ بدقت
تمام می رسد و کل در یک ضلع یک نفر ڈپٹی مجسٹریٹ می باشد از بعض ڈپٹی مجسٹریٹان کہ مسلمان
بودند، ملاقی شدہ بودم از آمد اخبار لاہور معلوم شد کہ پرچہ ہائے ڈپٹی کلکٹر در امتحان کامل نہ بر آمدند
مگر شام لال کامل بر آمد مگر مقامِ تعجب کہ از الہ آباد و بنارس خطوط بخدمت عالی فرستادیم، مگر
آن صاحب جواب یکے هم نہ فرستادند، ازین جہت طبیعت متفکر و متردد لازم کہ آن مکرم بغور
ملاحظہ خط ہذا از حالِ مزاجِ مبارک معہ دیگر رویداد آنجا معرفت خود یا معرفت منشی ہدایت علی صاحب
عنایت و اطلاع فرمایند و خطے از مقام فتح پور بنام شیخ قمر الدین صاحب مہربان بندہ بذریعہ منشی
کلیان سنگہ صاحب فرستادیم شیخ صاحب موصوف هم از جوابش معزز نہ فرمودند....... می ماند
و خطوط وطن در اثنا راہ رسیدند خیریت وطن معلوم شد مگر با عزم این ملک نہ فرمایند، روزگار
فارسی خوانان درین ملک بالکل نیست مگر کسے کہ از علم بنگلہ یا انگریزی واقف باشد، در ڈاکخانہ
اچانک منشی ڈاک فارسی خوان نیست بندہ خود بہ ڈاکخانہ رفتہ در خطوط تجسس خطوط می کند لفافہ
انگریزی نویسانیدہ و بلف خط ہذا است درون لفافہ مذکور خط ملفوف نمودہ عنایت فرمایند"....

نرخ گوشت گوسپند فی آثار ۳ر و گوشت گاؤ ۲ر و برنج حسب خوراک روزمرہ ۲۲ آثار فی روپیہ برنج
پلاؤ کہنہ ۸ آثار و دال ماش ۱۲ آثار نخود ۲۰ آثار آرد ۱۶ آثار می آرند و پارچہ بشرح و حساب فرخ آباد می ارزد
ارزان بالکل نیست بیماری ہیضہ و اسہال و موی بیشتر، تماشائے گاڑی دُخانی بچشم خود دیدم
در یک گھنٹہ ۶۰ میل و در یک روز سہ صد و شصت کروہ طے می کند سوار شوندہ را کلفت بالکل معلوم
نمی شود، اجرت هم بسیار کم تا ہشتاد کروہ مشرق رویہ سڑک آہنی تیار شدہ، در دو گھنٹہ می رود
اجرت [illegible] است کلکتہ ازین جا ۱۰۴ میل اجرت ۳ر و از بہر تا سرائے بھٹیاریان درین ملک
نیستند، خرابی مسافر بالکل سڑک خام و ناقص و پل بر نالہ و ندیہا و دریا تیار نیستند تا بنارس سڑک
بہتر نبود و بست صدر شرقی ناقص فقط،

؂ ۱۸۴۳ء میں یہ لائن صرف ۲۰ میل تھی، گیارہ سال مین ساٹھ میل تیار ہونا اس وقت کی ریل کی
تیز رفتاری کا ثبوت ہے،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولون مین جو تاریخین پڑھائی جاتی ہین، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے
خالی نہین ہوتا، اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون مین تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا
ہے، مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے
لکھی ہے، کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے
ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم
ہو جائین ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت : ۸؍

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین جاری کیا ہے، اور حکومت
یو پی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین

"مینیجر"

تلخیص و تبصرہ

آئینِ راہ

آج کل شخصی آزادی کی مغالطہ آمیز اصطلاح کا بڑا زور ہے، ہر شخص ذاتی آزادی کا مدعی ہے اور اس کے پردہ مین کھل کھیلنا چاہتا ہے، اس مضمون مین اس مبہم اصطلاح کی تشریح کی گئی ہے کہ شخصی آزادی کے معنی، اور اس کے حدود کیا ہین، اور کس حد کے بعد وہ دوسرون کے حقوق مین مداخلت بن جاتی ہے، اسکی مثال یون سمجھئے کہ ایک تحیم شحیم شخص ایک بوجھ لئے ہوئے شارعِ عام کے عین وسط مین آہستہ آہستہ چل رہا ہے، اسکی وجہ سے گاڑیون کی آمد و رفت مین بے ترتیبی پیدا ہو گئی ہے، جو خود اس کے لئے بھی خطرہ ہے، لیکن جب اس شخص سے کہا جاتا ہے، کہ پیدل چلنے والون کے لئے کنارے کی پٹری خاص ہے، تو وہ جواب دیتا ہے، کہ مین راستہ چلنے مین آزاد ہون، اس لئے جس راستہ سے چاہون چلون گا، یہ شخصی آزادی کے مفہوم کی غلط تعبیر ہے، اگر آزادی کی یہی معنی ہین کہ پیدل چلنے والون کو عین سڑک کے وسط پر چلنے کا حق ہو گیا ہے، تو پھر گاڑی والون کو کنارے کی پٹری پر گاڑی چلانے کا حق ہے، اس آزادی کا نتیجہ بدنظمی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، ہر شخص دوسرے کی راہ مین مخل ہو گا، اور کوئی منزلِ مقصود پر نہ پہونچ سکے گا، اور شخصی آزادی بدنظمی ہو کر رہ جائے گی،

آج کل کے دعوئے آزادی سے یہ خطرہ ہے کہ کہیں اس قسم کی غلط آزادی سے ساری دنیا

کا نظام برہم نہ ہو جائے، اس لئے اس سب سے بڑی شاہراہ یعنی دنیا کے آئینِ راہ متعین کرنے کی ضرورت ہی، یعنی سب کی آزادی محفوظ رکھنے کے لئے ہر شخص کی آزادی پر کچھ پابندیان عائد کر دیجائین، جب ایک کانسٹبل شارعِ عام پر پیدل جانے والون اور گاڑی چلانے والون کو ہاتھ کے اشارے سے کتا اور ہدایت دیتا ہے، تو وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہین کرتا، بلکہ آزادی کا نمونہ پیش کرتا ہے، ممکن ہی اس گستاخ نے کسی ایسے موقع پر جب آپ کو کہین جانے کی عجلت رہی ہو، آپ کی موٹر روک کر آپ کی آزادی کا خون کر دیا ہو اور اس وقت آپ نے خیال کیا ہو، کہ اس کانسٹبل نے شارعِ عام کی آزادی مین مخل ہونے کی کیسے جرأت کی، لیکن اگر آپ ذرا غور سے کام لین تو یہ بات آپ کی سمجھ مین آجائے گی، کہ اگر یہ کانسٹبل اس وقت آپ کی اور آپ کے ساتھ دوسرون کی آزادی مین تھوڑی مداخلت نہ کرتا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ شاہراہ گاڑیون اور پیدل چلنے والون کا گرداب بن جاتی جس کو آپ کسی طرح عبور نہیں کر سکتے تھے، آپ نے شخصی آزادی مین اس مداخلت کو محض اس لئے گوارا کیا، کہ اسکی وجہ سے آپ کو اجتماعی سکون حاصل ہو سکے، جس پر حقیقی آزادی کا مدار ہے،

آزادی تنہا ذاتی معاملہ نہین بلکہ عمرانی معاہدہ ہے، آزادی نام ہے جماعت کے مفاد کی متوازن پذیرائی کا، آپکے جن معاملات سے دوسرون کی آزادی کا کوئی تعلق نہین ہے، ان مین تو آپ جس حد تک چاہین آزادی اختیار کر سکتے ہین، اگر ہم کسی شاہراہ پر ڈریسنگ گاؤن پہن کر لمبے بال بڑھا کر ننگے پاؤن پھرین تو ہمین کون روکے گا، اس لئے ہم بہت سے ذاتی معاملات مین بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے خبط یا ذوق کی تسکین کر سکتے ہین، ہمارے سامنے ذاتی معاملات کی ایک دنیا ہے، جس مین ہم مختارِ مطلق ہین، جو چاہین اور جس طرح چاہین عمل کرین، اس مین ہم عقلمند، سخت و نرم، مسخرہ اور سنجیدہ جو کچھ چاہین بن سکتے ہین، لیکن اس ذاتی آزادی کے دائرہ کے باہر قدم رکھتے ہی ہماری آزادیِ عمل دوسرون کی آزادی کی پابند ہو جاتی ہے، ہم اپنے لطف کے لئے

پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر ساری رات طنبورہ بجا سکتے ہین، لیکن جب ہم آبادی کے اندر سڑکون اور گلیون مین باجا بجانا شروع کرین گے، تو ہمارے پڑوسی فوراً ہم کو یاد دلا دین گے کہ ہماری باجا بجانے کی آزادی ان کی سکون کے ساتھ سونے کی آزادی مین مخل ہو رہی ہے، حقیقت یہ ہو کہ ہمین اپنی آزادی دوسرون کی آزادی کے ساتھ متوازن کرنا پڑے گی، جسے ہم اکثر فراموش کر دیتے ہین، اور اس معاملہ مین اپنی خامیون کے مقابلہ مین دوسرون کی خامیون پر زیادہ نظر رکھتے ہین،

ایک ریلوے سفر کے دوران مین مین نے ایک سرکاری رپورٹ کا بغور مطالعہ شروع کیا یہ مشغلہ تفریحی نہ تھا، بلکہ روزی کا مشغلہ تھا، ایسی رپورٹون کا مطالعہ اسی توجہ وانہماک سے کیا جاتا ہے، جس توجہ سے ایک وکیل مسل کا معائنہ کرتا ہی، اگر کسی کتاب کا مطالعہ آپ محض تفریحاً کرتے ہین، تو آپ کے گرد وپیش جو کچھ ہو رہا ہے، وہ چندان لائق اعتنا نہین، لیکن جب سنجیدہ فرض کی ادائگی کے لئے مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس کے لئے سکون کی ضرورت ہی، جو مجھے میسر نہ تھا، دوسرے ہی اسٹیشن پر دو مسافر میرے ڈبہ مین داخل ہوئے، ایک صاحب بڑے باتونی بلکہ لغوگو تھے، انھون نے اپنے ساتھی سے مسلسل بلند آواز سے گفتگو شروع کر دی، مین جس انہماک سے رپورٹ کا مطالعہ کر رہا تھا، اسی قدر ہمارے نئے دوست کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی، وہ اپنی خاندانی تاریخ اپنے لڑکون کے جنگی کارنامون سپہ سالارون اور سیاست دانون کی غلطیون اور اپنی فراست اور دوسرون کی حماقت کا تذکرہ اس زور شور سے کرنے لگے کہ اپنی ساری کوششون کے باوجود مجھے کتاب بند کر دینی پڑی، اور مین اپنے دوست کی لغوگوئی سے تھک کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا،

اگر مین نے ان بزرگ سے ذرا دھیمی آواز سے گفتگو کرنے کی درخواست کی ہوتی، تو وہ مجھے بدتمیز خیال کرتے، لیکن انھین اس کا خیال نہ آیا کہ ایک شخص ان کی گفتگو سے زیادہ بہتر اور ضروری

کام کر رہا ہے، اور مجھے یقین ہو کہ وہ گاڑی سے اس اعتماد کے ساتھ اترے کہ ڈبہ مین ہر شخص ان کا شکر گذار تھا، کہ ان کی مسلسل گفتگو نے سفر کو بہت پر لطف اور پر از معلومات بنا دیا، اور ہر شخص ان کے علمی تبحر کی خوشگوار یاد ساتھ لے گیا، بظاہر اس شخص کی نیت نیک تھی، لیکن خرابی یہ تھی کہ وہ عمرانی احساس سے عاری تھا،

اجتماعی امور کی بنیاد اسی پر ہے، کہ دوسرون کے حقوق واحساس کا لحاظ رکھا جائے مین ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہون کہ اس معاملہ مین عورتین مردون سے کم مہذب ہین، ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر سب کو چیرتی پھاڑتی آگے پہونچ جائین گی، مرد اسکی کوشش کبھی نہ کرے گا، اس کا سبب یہ ہے، کہ وہ یہ جانتا ہی، کہ اسکی یہ حرکت ناقابل برداشت خیال کیجائے گی، دوسری وجہ یہ ہو کہ وہ اجتماعی تعلقات کی باہمی مراعات سے واقف اور اس کا عادی ہی، دنیا کے نشیب و فراز کا تجربہ رکھتا ہے، اور اپنے کو اجتماعی امور کے معیار کے مطابق بنانا سیکھ چکا ہے، اسکو تعلیم گاہون اور کھیل کے میدانون مین اسکی تعلیم مل چکی ہی،

حقیقت یہ ہو کہ اس پیچیدہ دنیا مین نہ تو مکمل انفرادیت قبول کیجا سکتی ہے، اور نہ مکمل اشتراکیت، اس کا صرف مناسب و موزون مجموعہ ہی قابل قبول ہو سکتا ہی، ہم کو شخصی اور اجتماعی دونون آزادیون کو محفوظ رکھنا پڑے گا، ہم کو دفتری حکومت کے تشدد اور اسکے مزاج کے خطرات پر نگاہ رکھنا چاہئے، ہم کو کوئی حکومت مجبور نہین کر سکتی کہ ہم اپنے بچون کو کسی خاص قسم کی تعلیم گاہ مین تعلیم دلائین، یا ان کو سائنس اور آرٹ کا ماہر بنائین، یا کسی خاص کھیل پر مجبور کرین، یہ ساری چیزین ذاتی ہین، لیکن اگر ہم یہ چاہین کہ ہمارے بچہ کو بالکل تعلیم ہی نہ دیجائے یا اسکی تعلیم و تربیت وحشیون کی طرح کیجائے، یا اس کو جیب تراشی کا فن سکھایا جائے، تو سوسائٹی اس آزادی سے ہم کو روکے گی اور ہم پسند کرین یا نہ کرین، ہمارے بچہ کو کچھ نہ کچھ جبری تعلیم ضرور دیجائے گی،

ہم کو اسکی آزادی کبھی نہین مل سکتی، کہ ہم خود سوسائٹی کے لئے وبالِ جان ہون، اور ہمارا [illegible] کے لئے بار اور خطرہ ہو،

سوسائٹی کے عام قوانین اور آئینِ راہ کی پابندی سے گویا ہم خود اپنا جائزہ لیتے ہین، اور اپنے مہذب یا غیر مہذب ہونے کا اعلان کرتے ہین، جوانمردی دکھانے اور قربانی پیش کرنیکے مواقع کم آتے ہین، زندگی عبارت ہی عام تعلقات اور روزانہ کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتون سے، یہی چھوٹی باتین زندگی کو خوشگوار یا تلخ بناتی ہین اسلئے ہر مہذب انسان کے لئے اس کا لحاظ ضروری ہے، کہ یہ انسانیت اور تہذیب کا ایک بڑا معیار ہے،

تمدن کیا ہے!

کیا تمدن عبارت ہی عمدہ پوشاکون، نفیس سواریون، کثرتِ احباب اور عمدہ دوکانون سے، جہان عمدہ قسم کی چیزین خریدی جاسکتی ہین، بچے عمدہ پوشاکین پہنتے ہین، کچھ لوگ نفیس سواریون پر نکلتے ہین، لیکن ان چیزون کا بذاتِ خود تمدن سے کوئی واسطہ نہین ہے، مشینین، ریلین، وایرلس، ٹیلیفون، سینما وغیرہ کا تمدن سے کچھ واسطہ ضرور ہے، لیکن ان چیزون کا صرف مالک ہونا اور ان کو استعمال کرنا متمدن ہونے کی دلیل نہین، متمدن ہونا قابلِ فخر بات ہی لیکن کسی اچھی سواری کا استعمال کوئی فخر کی بات نہین، شیکسپیر کے ڈرامون، رافیل کی مصوری اور بیتھووِن کی موسیقی پر دنیا سر دھنتی ہے، ان کے شاہکار ابدی ہونے کے باعث تمدن کے عناصر مین شمار کئے جاسکتے ہین،

الف لیلہ کے بادشاہ صرف اپنے خزانون، جواہرات، خوشبویات، بیش بہا پوشاکون، نادر ساز و سامان اور خدم و حشم کی بنا پر یقیناً متمدن نہین کہے جاسکتے، کیونکہ ان کی مثال ان بچون سے دیجاسکتی ہی جو ہر قسم کی مٹھائیان اور کھلونے بڑے شوق سے لیتے اور کھاتے ہین، پھر آسودہ ہوکر

اُن سے متنفر ہو جاتے ہین، پس جن چیزون کی خوبیون اور کشش کو دوام نہ ہو، وہ تمدن کی عناصر نہین بن سکتین، اور دولت و قوت کے عارضی اثرات تمدن کے عناصر سے یکسر خالی ہوتے ہین،

بہ الفاظ دیگر تمدن پُرشوکت زندگی اور تعیشات سے عبارت نہین ہے، اس لئے دنیا کے اکثر بادشاہون کو جنھون نے دولت، ثروت اور اقتدار کو شان و شوکت اور تعیش کے لئے استعمال کیا ہے، متمدن نہین کہا جاسکتا، صرف بیش بہا نفیس اور نادر ساز و سامان کا مالک ہونا تمدن کی سند نہین، بلکہ صرف ان اشیاء کی ملکیت تمدن کی دلیل ہے جن کی کشش اور خوبی کو دوام حاصل ہو، جن کے دیکھنے سے انسان کبھی سیر نہ ہو، اچھی چیزین ہمیشہ زندہ اور باقی رہتی ہین، ان کی کشش لازوال ہوتی ہی، تمدن نئی چیزون مین نہین، بلکہ نئی چیزون کے سوچنے اور ان کے پیدا کرنے مین مضمر ہے، ایجادات سے تمدن عبارت نہین ہے، بلکہ ایجاد و اختراع کی عملی قوت اور اس کے عمل کا نام تمدن ہے، تخیل کی یکسوئی سے کبھی کوئی تبدیلی پیدا نہین ہوسکتی، اور تمدن و ترقی کے لئے تبدیلی ضروری ہے، نئی باتون کے سوچنے پر تمدن کا مدار ہے، اور نئی باتون کے سوچنے کے لئے آزادی فکر کی ضرورت ہے، کہ بغیر آزادی فکر کے تمدن کا وجود ناممکن ہے، آزادی کے لئے جان و مال کا تحفظ، سکون و فرصت اور سوسائٹی ضروری ہی، یہی چیزین تمدن کے بھی اجزاء ہین، ان سب چیزون مین اہم نیکی ہے جو انصاف اور قانون کی طرف رہنمائی کرتی ہے، غرض تمدن عبارت ہی حسن و خوبی، آزادیِ فکر، جدتِ تخیل، پابندی قانون، عدل اور نیکی سے، گویا آرٹ، سائنس، فلسفہ، قانون اور اخلاق تمدن کے اصلی عناصر ہین، "ن ص"

اخبار علمیہ

مسلم یونیورسٹی مین ایک نئی درسگاہ

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ نے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پُرملال پر ان کی یادگار مین اپنی جانب سے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ مین ایک مسجد تعمیر کرنے کی منظوری عطا فرمائی ہے، جس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے، اس سلسلہ میں یہ خبر علی گڈھ کے لئے خصوصاً اور اہل ہند کے لئے عموماً باعث مسرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت کی یہ خواہش ہے، کہ لندن کے مشرقی علوم کے کالج (Oriental College) کے طرز پر اس مسجد مین بھی مشرقی علوم و فنون (Oriental languages) کی درس گاہ قائم کیجائے، بیرون ہند کے طلبہ کی یہ پرانی آرزو تھی، کہ وہ جامعہ علی گڈھ مین تعلیم حاصل کرین، لیکن وہ مروجہ تعلیم کے طلب گار نہ تھے، بلکہ ایسی تعلیم چاہتے تھے، جو اسلامی تعلیم تہذیب و تمدن اور اسلامی تاریخ پر مشتمل ہو، ڈاکٹر سر ضیاء الدین اس مقصد کے لئے حیدرآباد گئے تھے، بحمد اللہ اعلیٰ حضرت نے اس خیال کو پسند فرمایا ہے، اس کا نصاب بہت کچھ جامعہ ازہر (مصر) سے ملتا جلتا ہوگا،

نئی عکس ریز مشین

عکس ریز کے ذریعہ اب تک بیماریون اور مختلف جسمانی خرابیون کا پتہ لگایا جاتا تھا،

امریکہ نے حال ہی مین ایک حیرت انگیز عکس ریز مشین بنائی ہے جس طرح بے تار کی برقی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر بھیجی جاتی ہے، اسی طرح اس عکس ریز کی شعاؤن کے ذریعہ میدان جنگ کے زخمی سپاہیون کی بیماریون، شکستہ ہڈیون اور بدن مین پیوست گولیون کو معلوم کیا جائے گا، اسکا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً زخمی سپاہی کلکتہ مین ہے، اور عکس ریز مشین بمبئی مین، کلکتہ مین جب سپاہی کو تختہ (Straicher) پر لٹایا جائے گا، تو بمبئی کی عکس ریز مشین کی شعاعین فضا سے گذرتی ہوئی جا کر اس تختہ پر پڑین گی، اور تمام نقائص کو صاف ظاہر کر دین گی،

برقی لیمپ

برقی شعاؤن کا اب تک کہر اور دھوئین سے گذرنا ایک حد تک ناممکن تھا لیکن حال ہی مین لندن مین ایسا برقی لیمپ ایجاد ہوا ہے جس کو سمندر کے کنارے نصب کر دیا جائے گا، اور اسکی شعاعین تاریکی کو اُجالے، کہر اور دھوئین کو صاف اور روشن فضا مین تبدیل کر دینگی، اسکی روشنی سے سمندر کا گوشہ گوشہ صاف نظر آئے گا، ساتھ ہی اس مین ایک ایسی مشین بھی ہوگی جو دشمن کے ہوائی جہازون کا پتہ بھی دے گی،

زمین کو تولنے کا آلہ

وزن معلوم کرنے کے لئے مختلف مشینین بن چکی ہین، جن کی مدد سے انسانون، جانورون، اسباب اور دوسری وزن دار چیزون کا وزن معلوم ہو سکتا ہے، لیکن ایک جدید مشین کی اختراع نے دنیا کو محو حیرت کر دیا ہے، یہ مشین زمین کا وزن بتائے گی، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ آیندہ کتنا وزن بڑھنے سے ملک کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے،

مسجد چنگنگ

چین پر جاپان کے ہوائی حملون سے بڑی بڑی مسجدون کو کافی نقصان پہنچا ہے، بہت سی مسجدین مٹی کا ڈھیر ہوگئی ہین، اس لئے چینی حکومت کا ارادہ ہے، کہ وہ ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائے گی، اس کی تعمیر پر ۹۰۰۰۰ پونڈ یعنی ۱۳۵۰۰۰۰ روپئے خرچ ہون گے، یہ خوبصورت مسجد بہت جلد تیار ہو جائے گی، اس کا نصف خرچ حکومتِ چین دے گی اور نصف اسلامی قومی وفاق، خیال کیا جاتا ہے، کہ اس مسجد مین ایک صف مین دوسو آدمی نماز ادا کرسکین گے،

موجودہ سائنس کا معجزہ

اب تک ہم ریڈیو سے صرف خبرین، موسیقی کی دلکش تانین، متفرق حالات و واقعات اور ادبی مضامین سنا کرتے تھے، اور خبر رسانی کے لئے جہاز، طیارے اور بے تار کی تار برقی تھی، لیکن ریڈیو فوٹو (Radio colour photo) کے ذریعہ اب خطوط بھی بھیجے جاسکین گے اس کیلئے عرصے دنیا کی مختلف تجربہ گاہون مین کوشش کیجا رہی تھی، اسکی کامیابی کا سہرا امریکہ کے سر رہا، چنانچہ اس آلہ کو آزمانے کیلئے روزولٹ صدر جمہوریۂ امریکہ نے ایک خط چیانگ کائی شک کے نام لکھا، جو ڈیڑھ گھنٹہ مین چین پہونچ گیا، دراصل یہ آلہ مشاہدۂ غائب (Television) کے اصول پر بنا ہوا ہے یعنی جب ایک جگہ مشین پر رکھے ہوئے کاغذ پر کچھ لکھا جاتا ہے، تو اس کا نقش ثانی دوسری جگہ کی مشین کے پلیٹ پر منقش ہوجاتا ہے،

قدرت کا خزانہ

اللہ تعالیٰ نے بہت سی ایسی چیزین پیدا کی ہین جو انسانی وجود کے لئے ناگزیر ہین

ان مین سے بہتون کا تو انسان نے اپنی عقل و فراست، اتفاقات اور سائنس کی مدد سے پتہ چلا لیا ہے، لیکن قدرت کے خزانہ مین اب بھی ایسے جواہر چھپے ہوئے ہین، جن کا اگر انسان کو پتہ چل جائے، تو نہ صرف اس کی ذات کو بلکہ پوری قوم اور ملک کو اس سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے، ایک زمانہ سے سائنسٹ اس کو معلوم کرنا چاہتے تھے، کہ سمندر مین کتنی ایسی دھاتین قیمتی اجزاء اور معدنی عنصر موجود ہین، جن سے مختلف دوائین اور مشینین بنائی جاسکتی ہین، اور جن کے ذریعہ خوفناک کیڑون مکوڑون کو ہلاک کیا جاسکتا ہے، ان کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ سمندر کے فی مربع میل مین ......ہ ٹن مگنیشیم د (magnesium) پایا جاتا ہے، امریکہ اس دھات سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے، اس سے بہت سی مہلک بیماریون کے لئے نہایت مفید دوائین بنائی جائین گی، خیال ہے کہ اس کے ذریعہ شاید دق کا بھی یقینی علاج نکل آئے،

شکمی امراض کی تشخیص کا نیا آلہ

اب تک جسم کے اندرونی حصہ کے حالات اور پیٹ کی بیماریون کا پتہ عکس ریز کے ذریعہ سے چلایا جاتا تھا، لیکن اس مین بڑی طوالت تھی، اب اس کے بجائے ایک چھوٹا آلہ گیسٹروسکوپ ایجاد ہوا ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ اُسے آسانی کے ساتھ تہ کرکے جیب مین رکھا جاسکتا ہے اس آلہ مین روشنی کے لئے بیٹری اور عدسہ (Lens) یا ایک شیشہ ہوتا ہے، سے جب طبیب مریض کے پیٹ پر رکھتا ہے، تو معدہ اور اسکے اندر کی تمام چیزین صاف نظر آنے لگتی ہین،

"ا - س"

ادبیات

نسیمِ محبت

از

از جناب روش صدیقی

یہ شب بھر جو آنکھوں کی خونبا‌ریاں ہین
نسیمِ محبت کی گلکاریان ہین

ہے گرمِ سفر کاروانِ محبت
پُر اسرار راتین ہین بیداریان ہین

خدا جانے کیا ہے مرادِ محبت!
ابھی تو دو عالم سے بیزاریان ہین

وہ چشمِ فسون ساز سب جانتی ہے
کہان تک محبت کی خودداریان ہین

تمنا خطا، جرم ترکِ تمنا،
خطاکاریان ہی خطاکاریان ہین

جسے ہوش ہو دینؔ و دل کا وہ کافر
محبت ہے اور اسکی سرشاریان ہین

ابھی کم نگاہون نے دیکھا ہی کیا ہے
سب اپنی نظر کی پرستاریان ہین

نہ پوچھو مرا مدعا، خود ہی سوچو
ازل سے یہ کس کی طلبگاریان ہین

روشؔ خود فراموشیون کا یہ عالم؟
یہ کس کو بھلانے کی تیاریان ہین،

غزل

جناب نوابزادہ سید شمس الحسن صاحب بی اے ال ال بی (علیگ) بھوپال ہاؤس لکھنؤ

اُڑ گئی ہے یون زمانہ سے خوشی میرے لئے
زندگی خود بن گئی ہے بیکسی میرے لئے

اللہ اللہ میرے جذبِ شوق کی یہ وسعتین
ہر نفس ہے اک پیامِ سرمدی میرے لئے

حاصلِ ذوقِ طلب ہین عشق کی بیتابیان
ہان سلامت حشر تک یہ زندگی میرے لئے

وہ نگاہِ سادہ سادہ وہ ادای رنگ رنگ
کس غضب کی حسن مین ہے دلکشی میرے لئے

کیا تجھے معلوم کیا ہے لذتِ اُفتادگی
تیرے صدقے غم بنا دے ہر خوشی میرے لئے

غم سہی لیکن وہ غم جس سے ہو دنیا ناشناس
کوئی تو مخصوص رہنے دے خوشی میرے لئے

مین سمجھ لون گا کہ اس کا مدعا حاصل ہوا
کاش اٹھ جائے وہ چشمِ قہر ہی میرے لئے

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر
جس نے دنیا ہی بدل دی عشق کی میرے لئے

ہر خطائے شوق پر ملتی رہے پیہم سزا
ہو نہ جائے دیکھنا کوئی کمی میرے لئے

ہو چلا صرفِ نگاہِ یار دل کا ہر سکون
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی خوشی میرے لئے

اس ادائے حق شناسی پر تصدق ہے خوشی
کر دیا غم کو شریکِ زندگی میرے لئے

بے حقیقت گلشنِ ایجاد کی رنگینیان
کیا غضب ہے حسن کی ہر سادگی میرے لئے

ایک اک سجدے مین سو سو بارشِ ابرِ کرم
اللہ اللہ یہ کمالِ بندگی میرے لئے

ہو کسی کے واسطے دنیا مصیبت ہو تو ہو
شمسؔ انعامِ خدا ہے زندگی میرے لئے

مطبوعات جدیدہ

الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ } مرتبہ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاد قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ نفیس، ٹائپ روشن، قیمت دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک، پتہ حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

حدیث، سیرت، طبقات، فقہ، اور تاریخ کی کتابون مین آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین کے زمانہ کے بہت سے احکام و فرامین، سیاسی وثیقے اور دوسرے مراسلات محفوظ ہین، جو مختلف قبائل و اقوام سے معاہدون، پرانے معاہدون کی تجدید، دعوتِ اسلام کے خطوط، عمال کے تقرر کے احکام ان کے اختیارات کی توضیح، طریقِ حکومت کی ہدایات، انعام و عطایا کی دستاویزون، امان نامون، اشخاص کے متعلق استثنائی احکام، دینی احکام، جنگی و سیاسی ہدایات، مفتوحہ قومون کے ساتھ طرزِ عمل اور مفتوحہ ملکون کے نظم کے متعلق ہدایات، اور دوسرے دینی، سیاسی اور انتظامی امور پر مشتمل ہین، اور مختلف کتابون مین بکھرے ہوئے ہین، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ اسی موضوع پر لکھا تھا، اور ان احکام و فرامین اور دستاویزون کو جمع کرکے فرنچ مین اس کا ترجمہ پیش کیا تھا، اب انھون نے الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کے نام سے اصل عربی متن شائع کیا ہے، کتاب کے شروع مین عہدِ نبوی

کی سیاست، وثیقون کی تلاش و ترتیب، ان کی زبان اور صحت و عدمِ صحت کے اصول کے متعلق مفید باتین ہین، اصل مجموعے مین کئی سو فرامین و مراسلات ہین، ان مین ان مراسلون کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جن کا حوالہ کسی کتاب مین ملتا ہے، لیکن ان کا متن موجود نہین ہے، اور بعض ان بیرونی تحریرون کو بھی شامل کر لیا ہے جن کے جواب مین مراسلہ لکھا گیا ہے، اس طرح ان کی تعداد کئی سو تک پہنچ جاتی ہے، بعض مراسلون کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ مراسلے اور تحریرین مختلف کتابون اور مستشرقین کی کتابون اور مضامین سے جمع کئے گئے ہین، جن مین کہین کہین جزوی لفظی اختلافات ہین، حاشیہ مین ان اختلافات کو دکھا دیا ہے، اور مشکوک فرامین کی تصریح کر دی ہے، کتاب کے آخر مین مشکل الفاظ کا فرہنگ، ماخذون کی فہرست کتابون اور اسماء و اعلام کا انڈکس، فرامین کے متعلق متعدد نقشے، قبائل عرب کے انساب کا شجرہ اور بعض فرامین کی اصل کا فوٹو بھی دیدیا ہے، اس لئے یہ کتاب بڑی نفع بخش ہو گئی ہے، اور اپنی ترتیب و تہذیب اور تصحیح کے اعتبار سے کسی طرح مستشرقین کی مصححہ کتابون سے کم نہین، فاضل مرتب کی محنت اور دیدہ ریزی کا اندازہ کتاب دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے، اس مجموعے سے آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدینؓ کی عادلانہ سیاست کی تصویر سامنے آجاتی ہے، خلفاے راشدین کے بعض احکام و فرامین، دوسری قومون کے ساتھ عدل و مساوات کی تحریری دستاویزین ہین، جنسے غیر قومون کے بعض غلط اعتراضات کی پوری تردید ہو جاتی ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے یہ کتاب شائع کر کے بڑی گرانقدر علمی و دینی خدمت انجام دی ہے، جزاہ اللہ خیرا الجزاء،

نئے ادبی رجحانات مؤلفہ جناب سید اعجاز حسین صاحب لکچرار اردو الہ آباد یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۸ پتہ:- غالباً مصنف سے ملے گی،

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد نئے حالات اور جدید موثرات کے ماتحت ہندوستانیون کے

افکار و خیالات اور مختلف نقطہا ے نظر مین جتنا فرق ہوتا گیا، اسی اعتبار سے اردو ادب کا رنگ اور اسکی نوعیت بدلتی گئی، خصوصًا ادھر پندرہ بیس سال کے عرصہ مین جس تیزی سے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی خیالات مین انقلاب ہو رہا ہے، اسی تیزی سے ہمارا ادب بھی بدل رہا ہے، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ سرسید، شبلی، حالی اور آزاد سے جو اصلاحی دور شروع ہوا تھا، وہ بھی ختم ہوگیا، اور اب ایک نئے دورِ ادب کا آغاز ہے، اور اس مین بہت سی نئی چیزین پیدا ہوگئی ہین، اور ان کا اچھا خاصہ ذخیرہ اردو زبان مین فراہم ہوگیا ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین ابتدائی اصلاحی دور سے لیکر اب تک اردو ادب کے ان نئے اضافون کا جائزہ لیا ہے، کتاب کے شروع مین پس منظر کے طور پر قدیم دور کے رجحانات اور اوس کے ادب پر مختصر تبصرہ ہے، اس کے بعد نئے دور کے تغیرات، اوس کے اسباب و نتائج اور ادب کی نئی پیدا وارون کو اختصار کے ساتھ دکھایا ہے، اس سلسلہ مین اس دور کے پیداشدہ لٹریچر کی تمام اصناف، بیشتر اکابر شعراء و مصنفین اور علمی و ادبی ادارون پر مختصر تبصرہ آگیا ہے، لائق مؤلف نے بڑی حد تک خوش مذاقی اور ناقدانہ نظر سے کتاب لکھی ہے، لیکن غالبًا اختلافِ مذاق یا جدید دور کے اثرات یا اوس کے تقاضون کی بنا پر بعض خامیان رہ گئی ہین، ایک نمایان خامی یہ ہے کہ مؤلف خود جدید اثرات سے متاثر ہین، اسی لئے انھون نے نئے ادب کو اسکی حیثیت سے زیادہ سراہا ہے، بعض شخصیتون کو ان کے درجہ سے زیادہ اچھالنے کی کوشش کی ہے، مثلًا اس زمانہ کے ایک "شاعرِ شبابیات" کو جن کی شاعری ماضی قریب مین نوجوانون کی گرمی جذبات کا سامان تھی، اور اب بازار کی مانگ دیکھ کر انھون نے اشتراکیت کا روپ بدل لیا ہے، متفکر اور فلسفی شعراء کے زمرہ مین پیش کیا گیا ہے، اگر تفکر اور تفلسف کا معیار کوئی خاص طرز ہی ہے، تو پھر ایک مسخرے شاعر کو بھی متفکر اور فلسفی ماننا پڑے گا، ایسے شخص کو کسی حیثیت سے بھی اقبال کے مقابلہ مین لانا ایسا ہی ہے، جیسے محض تعلیمی پیشہ کے اشتراک کی بنا پر کسی پرائمری مدرسہ کے دہقانی مدرس کو کسی یونیورسٹی کے پروفیسر کے

مقابلہ مین پیش کرنا، یہ عجیب بات ہے، کہ ترقی پسند شعراء و مصنفین ادب برائے زندگی کے تو مدعی ہین لیکن ادب اور خود ادیب کی زندگی مین مطابقت ضروری نہین سمجھتے، اور اپنے عمل سے اپنے اصول کی تردید کرتے ہین، دوسری فروگذاشت یہ نظر آئی کہ بعض ضروری اشخاص کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، مثلًا جدید تغزل کے سلسلہ مین اصغر مرحوم کا نام نہ لینا اور جگر کی شاعری کو نظر انداز کر دینا بڑی فروگذاشت ہے، یہ صرف ایک مثال ہے، ورنہ جدید دور کے بہت سے بانیون کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، یا صرف ان کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے، ان کے مقابلہ مین ان "نومولود" شعراء کو مجدد شاعری کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنکی بولی بھی ابھی پوری طرح نہین پھوٹی ہے، اور نئے ادب کے خرافات کو بھی تجدیدی کارنامہ شمار کیا گیا ہے، جو غالبًا جدید اثرات کا نتیجہ ہے، ورنہ ہم کو لائق مؤلف کے حسنِ مذاق سے بدگمانی نہین ہے،

اس مین شبہہ نہیں کہ نئے مؤثرات نے ادب مین کافی وسعت پیدا کی، اور بہت سے نئے خیالات اور نئی نئی راہین پیدا ہوگئین، لیکن ارتفاع مین اسنے کوئی ترقی نہین کی، اس کے لٹریچر کا بڑا ذخیرہ ادنی درجہ کا ہے، کتاب مین نثر کا حصہ بہت تشنہ اور سرسری ہے، بعض تاریخی معلومات بھی ناقص ہین، مثلًا عیسائیون کی تبلیغ کے مقابلہ مین صرف سرسید کے مساعی کا ذکر کیا گیا ہے، اور اصلی مجاہدین کا کوئی تذکرہ ہی نہین، اس سلسلہ مین سرسید کا نام آخری درجہ پر آسکتا ہے، مولٰنا عبد السلام صاحب ندوی (دار المصنفین) کی تصانیف مین تاریخ ہند اور تاریخ ٹرکی کو لکھا گیا ہے، حالانکہ تاریخ ہند ان کی کوئی تصنیف نہین، تاریخ ٹرکی مولوی محمد عزیز صاحب سابق رفیق دار المصنفین و حال لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی کی تالیف ہے، اس قبیل کی اور فروگذاشتین بھی ہین، لیکن ان سے قطعِ نظر مجموعی حیثیت سے کتاب قابلِ قدر ہے، امید ہے، کہ اس کا آیندہ اڈیشن ان خامیون سے پاک ہوگا،

سیرِ کائنات، مترجمہ جناب حفیظ احمد خان صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ عثمان آباد، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی، لکھنؤ، بمبئی نمبر ۳،

یہ کتاب انگلستان کے نامور سائنسدان اور عالم ہیئت سر جیمس جینس کی کتاب Through Space And Time کا ترجمہ ہے، اس مین کائنات کی پیدایش اس کے ارتقاء اور نظام کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، کتاب آٹھ بابون پر مشتمل ہے، جس مین زمین، ہوا، آسمان، ماہتاب، سیارون، سورج، ستارون اور سدیم کی پیدایش، ان کے ارتقائی مدارج نظام، طبعی حالات، بے پایان وسعت و عظمت اور محیر العقول عجائبات کو عالمانہ مگر دلچسپ انداز مین بیان کیا گیا ہے، جس سے ان کی خلقت کی عظمت سے زیادہ خالق کی عظمت و قدرت کا پتہ چلتا ہے، کتاب مین بہت سے دقیق علمی مسائل آگئے ہین، جنھیں حتی الامکان آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے، مختلف کواکب اور سیارون کے حالات مین یہ چیز خاص طور سے قابلِ غور ہے، کہ ان کے فطری قوانین اور طبعی حالات، کرۂ ارض کے قوانین و حالات سے بالکل جدا ہین، اس لئے اگر ان مین زندگی موجود ہو جس کا ابتک کوئی ثبوت نہین ملا ہے، یا آئندہ کسی زمانہ مین زندگی کا امکان پیدا ہو، تو وہان کے طبعی و فطری قوانین کے ماتحت وہان کی مخلوق کی حالت اور اس کی زندگی کرۂ ارض کی زندگی سے اتنی مختلف ہوگی کہ اس کا قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا، ایسی حالت مین کسی دوسرے عالم کے وجود اور وہان کی مختلف زندگی کو کیون مشکوک مانا جائے، مباحث کی وضاحت کیلئے جابجا فوٹو بھی دیدئے گئے ہین، ترجمہ صاف و سلیس ہے، کتاب مفید ہے لیکن عام مذاق کی نہین،

تاریخ منظوم سلاطین بہمنیہ، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

فارسی مین ابوالفتح ضیاء الدین محمد المعروف بہ امجد حسین حسینی ایازی کی "تاریخ دکن امجدیہ" دکن کی مشہور تاریخون مین ہے، برار کے ایک شاعر سہیل نے اس کے چوتھے باب کا جو سلاطین بہمنی کے حالات مین ہے اردو نظم مین ترجمہ کیا تھا جو غالباً اب تک شائع نہیں ہوا تھا، انجمن ترقی اردو نے پرانی یادگار کی حیثیت سے اسکو شائع کر دیا ہے جناب محمد عبد اللہ صاحب چغتائی کے قلم سے شروع میں ایک مختصر اور مفید مقدمہ ہے،

"م"

"جلد ۵۱" ماہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۳ء "عدد ۲"

مضامین